

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضور اپنے مدرسہ میں ارشاد فتاویٰ کی تدبیح میں کہ  
نیک کام کرنے کی ترغیب دینا نیک کرنے والے کے برابر ہے۔

# اسلامی طرز زندگی

## احادیث کی روشنی میں



قاری محمد اکرم غفرلہ مدرسہ فیض القرآن اودھر وال

## آئینہ کتاب

صفہ	عنوانات	صفہ	عنوانات
4	تقریظ: مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب		
7	زندگی کے شب و روز	5	تقریظ: مولانا محمد عبدالجود صاحب
13	پڑو بیوں سے حسن سلوک	9	پیش لفظ
15	شرم و حیاء	14	اسلام اور انسانی حقوق
17	موسیقی کی ناپاک صدائیں	16	حسن اخلاق
19	نکاح کی شرعی حیثیت	18	اسلامی لباس کے بنیادی اصول
21	ظاہری و باطنی پاکیزگی	20	حقوق النساء
23	دعاوں کا اہتمام	22	ماہ صفر اور خیالات فائدہ
25	ظام اور علم	24	دعا کے آداب
27	عنصر کیا ہے؟	26	روحانی علاج کی حقیقت
29	حقیقتِ محفل میلاد	28	توہا اور استغفار
31	موت کا تصور	30	انسانی روح کی ندا
33	عداوتِ شیطان	32	اہل ایمان کی صفات
35	چھوٹ اور غلط پیانی	34	بدعت کیا ہے؟
37	الفاظ اذان کی فضیلت، حکمتیں	36	غسل کے احکام
39	حسن عمل اور عملی صالح	38	مسجد اور اجتماعی نظام
41	زبان سے کلمہ بخیر کے واپکھنے کہے	40	توازن اور اعدلی
43	آداب ذکر اللہ	42	فضائل قرآن
45	مقروف و موبہل دینا	44	کسب حلال
47	نبی کریم ﷺ کی شفقت	46	سود کے زہریلے اثرات
49	کلمہ طیبہ	48	حقیقی مسلمان
51	اسلام میں عورت کا مقام	50	سلام کے فضائل و آداب
53	ٹیلی فون اور موبائل فون پر گفتگو	52	شکران نعمت
55	خود غرضی اور ایثار	54	تعریت
57	کسی کو برآ کہنا جنگ و جدال کرنا	56	خیرخواہی اور خدمتِ خلق

59	اپنے ایمان کی حفاظت کچھے	58	انعامات خداوندی اور ہماری ناشکری
61	پر سکون زندگی کیسے حاصل ہو؟	60	امن و سلامتی
63	برے لوگوں سے دوستی کے نصانات	62	ہماری خلقت والی زندگی
65	مساک کی فضیلت	64	بلند فکری و بلند ہمتی
67	انسان کے اسلام کی خوبی	66	وضو کے فضائل و احکام
69	تو شہر آختر اور اولاد کی دینی تربیت	68	اسراف اور فضول خرچی سے پرہیز
71	اچھے لوگوں کی محبت کے اثرات	70	اولاد کی تربیت اور والدین کی ذمداداری
73	اخلاص نیت	72	مختون کا ڈھانپنا گناہ ہے
75	فریضیت نماز اور وعدہ بخشش	74	ارکان اسلام اور نعمت ایمان
77	روزہ اور قیامِ رمضان	76	باجماعت نماز کی فضیلت
79	زکوٰۃ کی ادائیگی کی فکر کچھے	78	حج بیت اللہ
81	نکبر میں رسوائی، عجز و انگساری میں برداشتی	80	خیر کے کاموں میں خرچ کرنا
83	بآہی محبت و عداوت صرف اللہ کیلئے	82	ایمانی طاقت
85	بغض و کینیتی محبت	84	عہد کی پابندی
87	ہدیہ اور تکہ بآہی محبت و الفت کا ذریعہ	86	ریا کاری سے پچھے
89	بآہی اتحاد اتفاق کی ضرورت	88	بآہی عیب جوئی سے پرہیز
91	رمم و شفقت	90	مہمان نوازی کے آداب
93	تعصب سے پچھے	92	مثالی نوجوان بنیں
95	چھوٹوں و بڑوں کے درمیان یہ فاصلہ کیوں؟	94	چھوٹوں و بڑوں کے درمیان یہ فاصلہ کیوں؟
97	بآہی معاملات اور بآہی رضامندی	96	ماحوں کی آلوگی اور مسلمان کی ذمداداری
99	عیدِین کے اعمال مسنونہ اور صدقہ فطر	98	ماوشعبان اور شب برات
101	عید الاضحی کیسے گزاریں	100	مہنگائی اور تاجر کا طریقہ
103	مضارب تیروزگاری ختم کرنے کا ذریعہ ہے	102	نمایز باجماعت میں صفحہ بندی کی اہمیت
105	آخر باتاں میانہ روی اختیار کریں	104	ناجائز تجاوزات
107	معاذ حضرات کے لئے لمبے فکر یہ	106	تجارت میں قسمیں کھانے سے پچھے
109	حدود اللہ کی فرمائش کا مرتكب	108	حج کے اوصاف
111	سب سے بڑی دولت	110	رشوت کی لعنت اور اس کے اثرات

## تقریط

مولانا حافظ عبد القیوم حقانی صاحب دامت برکاتہم

الحمد لله رب العالمات والصلوة والسلام على خاتم الرسلة اما بعد !

برادیکرم حضرت قاری محمد اکرام صاحب کی تازہ ترین علمی و دعویٰ تبلیغی اور اصلاحی قلمی کاوش "اسلامی طرز زندگی احادیث کی نظر میں" میرے سامنے ہے، فہرست پڑھی، اندر بھی بعض مضامین کا مطالعہ کیا۔ یقیناً دعویٰ اور اصلاحی حوالے سے روحانی امراض کا تریاق ہے، علمی کوتا ہیوں کی اصلاح ہے، غفلت کے لئے بیداری کا نسخہ ہے، ہر عنوان دلچسپ ہے، ہر تحریر ایمان افروز ہے۔ "اسلامی طرز زندگی احادیث کی نظر میں" زندگی کے اسلامی آداب کی بھرپور ترجمانی آگئی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ دعویٰ، تبلیغی، اصلاحی اور مطالعاتی حلقة اس کتاب کو اپنے تعليمی اهداف میں سرفہرست رکھیں۔ والدین اپنی اولاد کو پڑھائیں، گھروں میں اس کی تعلیم کا فروغ ہو۔

انشاء اللہ بے حد مفید اور نافع شرات مرتب ہوں گے۔ جو ان سال مصنف قاری محمد اکرام صاحب علی، قلمی اور تحریری حوالے سے بڑے خوش نصیب ہیں کہ اللہ پاک نے اصلاح انقلاب امت کا ان سے بڑا مفید کام لے لیا ہے، میری دلی دعا ہے کہ باری تعالیٰ ان کے علم میں، قلم میں، قدم میں اور زندگی کی ہر حرکت میں ہدایت و برکت اور اپنی خصوصی نصرت شامل حال فرمادے۔ (آمین ثم آمین)

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تقریظ

محقق عالم دین

حضرت مولانا محمد عبد المعبود صاحب دامت برکاتہم العالیہ

الحمد لله وكفى والصلوة والسلام على اشرف الانبياء.

اماً بعد! جناب والاکی ارسال کردہ نئی کپیوز شدہ کتاب وصول ہوئی جس کی ابتداء میں

حضرت العلامہ فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا عبد القیوم حقانی زید مجده کی وقیع تقریظ بھی مسلک ہے۔ حضرت اقدس کی رائے گرامی کے بعد راقم کا کتاب کے متعلق پچھے عرض کرنا یقیناً مصف اور جناب حضرت حقانی صاحب کی شان میں بے ادبی اور نازیبا حرکت ہو گی لیکن ”الامر فوق الا دب“ کے پیش نظر مذکور کے ساتھ پچھے عرض کرنے کی جسارت کا ارتکاب کر رہا ہوں۔

بحمد اللہ! کتاب حرف احرفاً پوری پڑھی ہے جسے ہر اعتبار سے مفید، موثر، قابل قدر اور لائق تحسین پایا ہے۔ آپ نے ”اسلامی طرز زندگی احادیث کی روشنی میں“ کے خدو خال کو احادیث مقدسہ مطہرہ کی روشنی میں بڑی وضاحت اور صراحت سے اجاگر کیا ہے، ہر ایک عنوان کو حدیث مبارکہ سے مزین کیا اور حدیث طیبہ ہی کو اس کا جھومر قرار دیا۔

جناب والاکی نگارشات، انشاء پروازی اور علم و عمل کا حسین و جمیل کا گلہستہ اور وعظ تذکیرہ، پند و نصائح اور تربیت و اصلاح کی شہ کار و ستاویز ہے۔ جس میں اللہ جل مجده اور رسول رحمت کے ارشادات کو معیار اور بنیاد بنا کر ”اسلامی طرز زندگی“ اپنانے اور بسر کرنے کے

سنہرے اصول پیش کیے گئے ہیں۔ اندازِ بیان اور اسلوب تحریر اس قدر سہل شگفتہ اور نافع ہے کہ ہر پڑھا لکھا آدمی اس سے رہنمائی حاصل کر سکتا ہے اور یہ کتاب لاجواب، علماء طلباء، دانش ور اور ہر ایک مسلمان کے لیے یکساں طور پر فائدہ مند ہے اسے حرزاً جاں بنا کیں اس پر عمل پیرا ہو کر سعادت دارین حاصل کریں۔

آل محترم نے قرآنی آیات اور احادیث نبویہ سے آراستہ پیراستہ "شہزادہ جنت" کی نشاندہی کر دی ہے، اب مردوں، پیروں، جوان، خور دکلاں، شاہ و گدا اور امیر و فقیر اس شاہ راہ پر گام زن ہو کر اللہ تعالیٰ جل جلالہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل کر کے اپنی دنیوی زندگی تابندہ اور آخرت کی ابدی زیست درخشندہ بنالیں۔  
هم بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہیں اللہ جل جلالہ آپ کے قلم کو ضوفشاں اور فیض بار بنائے۔ تصنیف و تالیف، درس و تدریس، تبلیغ و ترویج دین کی مقدس خدمت انجام دینے کی سعادت عطا فرمائے اور شرف قبولیت سے نوازے۔ (آمین)

ایں دعا از مکن وا ز جملہ جہاں امین آباد

محمد عبد المعبود عفاف اللہ عنہ

۱۳۳۳ھ اذوالحجہ

## زندگی کے شب و روز

- ☆ ضرورت کے موافق دین کا علم حاصل کرے، خواہ کتاب پڑھ کر یا المولوں سے پوچھ کر
- ☆ سب گناہوں سے بچیں
- ☆ کسی کا حق نہ رکھے، کسی کو زبان یا ہاتھ سے تکلیف نہ دے، کسی کی برائی نہ کرے
- ☆ مال کی محبت اور نام کی خواہش نہ رکھے، نہ بہت اچھے کھانے اور کپڑے کی فکر میں رہے
- ☆ اگر کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کرے
- ☆ اگر کسی خط پر کوئی ٹوکے، اپنی بات نہ بنائے فوراً اقرار اور توبہ کرے
- ☆ سخت ضرورت ہو تو سفر کرے، کیونکہ سفر میں بہت سی باتیں بے احتیاط سے ہو جاتی ہیں، بہت سے نیک کام چھوٹ جاتے ہیں، معمولات زندگی میں خلل پڑتا ہے، اور وقت پر کوئی کام نہیں ہوتا
- ☆ نہ بہت بنسے، نہ بہت بولے، خاص کر ناخرم سے بے تکلفی کی باتیں نہ کرے
- ☆ کسی سے بھگڑا اور نکار نہ کرے
- ☆ شرع کا ہر وقت خیال رکھے
- ☆ عبادت میں سستی نہ کرے
- ☆ زیادہ وقت نہایت میں رہے
- ☆ اگر لوگوں سے ملنا چنانچہ تو سب سے عاجز ہو کر رہے، سب کی خدمت کرے، بڑائی نہ جلتائے

- ☆ بے دین آدمی سے دور بھاگے
- ☆ دوسروں کے عیب نہ ڈھونڈے، کسی پر بدگمانی نہ کرے، اپنے عیبوں کو دیکھا کرے اور ان کی درستی کیا کرے۔
- ☆ نماز کو اچھی متحب وقت میں دل سے پابندی کے ساتھ ادا کرنے کا بہت خیال رکھے
- ☆ دل یا زبان سے ہر وقت اللہ کی یاد میں رہے کسی وقت غفل نہ ہو۔
- ☆ اگر اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے مزہ آئے، دل خوش ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے

☆ باتِ زمی سے کرے

☆ سب کاموں کے لئے وقت مقرر کرے اور پابندی سے ان کو نجھائے

☆ جو کچھ رنج و غم یا نقصان پیش آئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانے، پریشان نہ ہو اور یوں سمجھے کہ  
اس میں مجھ کو ثواب ملے گا۔

☆ ہر وقت دل میں دنیا کا حساب و کتاب اور دنیا کے کاموں کا ذکر نہ رکھے بلکہ خیال بھی اللہ تعالیٰ  
ہی کارکھے

☆ جہاں تک ہو سکے دوسروں کو فائدہ پہنچائے، خواہ دین کا ہو یاد نیا کا

☆ کھانے پینے میں نہ اتنی کمی کرے کہ کمزور یا بیمار ہو جائے، نہ اتنی زیادتی کرے کہ عبادت میں  
ستق ہونے لگے

☆ خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے طمع نہ کرے نہ کسی طرف خیال دوڑائے کہ فلاں جگہ سے ہم کو یہ فائدہ  
ہو جائے۔

(ارشادات: مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

## شعبد لائبیری

موہڑہ کورچشم (چکوال)

پاکستان

Mohra Kor Chasham (Chakwal) Pakistan

## پیش لفظ

اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت انسان پر فرض ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ انسان عبدیت کا حق اس کے بغیر انہیں کر سکتا کہ اسے خداۓ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات دی جائیں، یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب اپنے اپنے مجموعہ ہدایات آسمانی پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ مُنَزَّلٌ مِنَ اللَّهِ ہے۔ مثلاً یہودی تورات پر، عیسائی بائیبل پر، ہندو دید پر۔ اسی قاعدے کی بنا پر مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ان کا قرآن خداوند قدوس وحدہ لاشریک لہ کی نازل کردہ کتاب ہے اور لووح محفوظ سے آیا ہوا خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ اور یہ بھی ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ خداۓ قدوس وحدہ لاشریک لہ کا آخری پیغام ہے جو اپنی مخلوق کی اصلاح کے لئے اس نے آسمان سے نازل فرمایا ہے۔ اور اس کے بعد کوئی پیغام الہی آسمان سے نہیں آئے گا۔

رب العالمین کی نازل کردہ کتاب قرآن حکیم چونکہ عربی میں ہے اور عربی زبان میں اس قدر وسعت ہے کہ شاید یہ کسی دوسری زبان میں ہو۔ لہذا ایک لفظ کے کئی معنی ہو سکتے ہیں، اب اس حکم کا پیہہ لگانا، اس کا دراکرنا، اس کو اپنی فہم میں لانا کہ اس آیت مبارکہ میں رب دو جہاں کی کیا مراد ہے؟ اس کے لئے سوائے زبان فیض ترجمان سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ لہذا جس آیت مقدسرہ و مطہرہ کا جو مطلب رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں وہی اللہ تعالیٰ جل شانہ کی مراد ہوگی۔ اس کے خلاف جو معنی بھی لیا جائے خواہ وہ لغتہ عربی کے قواعد و ضوابط کے مطابق ہی ہو وہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہو گا بلکہ مسترد ہو گا۔ لہذا جب تک خادم قرآن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو پیش نظر نہیں رکھے گا وہ جادہ اعتدال پر قائم نہیں رہ سکتا۔ ممکن ہے کہ جو مطلب یہ لے رہا ہے وہ خدا تعالیٰ اور اس کے حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد کے خلاف ہو۔

ہر مسلمان کے لئے بالعموم اور بالخصوص مبلغین قرآن کے لئے لازم ہے کہ وہ قرآن حکیم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ حدیث شریف کا بھی علم حاصل کریں تاکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد کو سمجھ کر اس پر عمل کر سکیں اور خلق خدا کو پیغامِ حق صحیح و سالم پہنچا سکیں۔

کیونکہ رحمتِ دو عالم سید الالاٰلوٰلین والا خرین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک اقوال زندگی

کے ہر موقع پر رہنمائی فرماتے ہیں۔ اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی ایک مجرہ ہے کہ آپ کے مختصر الفاظ میں علم و معرفت کے دریا ہوتے ہیں اور پڑھنے والا بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ حقیقتاً یہ حسن کلام بارگاہِ نبوت کے علاوہ کوئی نہیں کہہ سکتا، اور رہنمائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ارشاد پاک ہے:

**قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَمَا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرَ الْهَدِيٍّ هَدْيٌ مُّحَمَّدٌ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ)۔ (رواہ مسلم)**

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خدا کی حمد کے بعد! معلوم ہونا چاہئے کہ سب سے بہتر بات کتاب اللہ ہے اور بہترین ہدایت (راہنمائی) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے پارہ کے آغاز میں قرآن مجید کی حقیقت اور مقصد بتایا: ذلِكَ الْكِتَابُ لَا رَبَّ لَهُ فِيهِ هُنَّى لِلْمُتَّقِينَ ۝ ”اس کتاب میں کوئی شک نہیں یہ پرہیز گاروں کیلئے راہنمائی ہے۔“ اور پھر قرآن مجید نے زندگی کے ہر مرحلے میں راہنمائی فرمائی۔ چاہے معاشرتی امور ہوں یا معاشی، گھر یا یونیورسٹی، تجارتی زندگی، اخلاقی اصول و آداب، فائدہ اور نقصان کے بنیادی اصول، حلال و حرام کی تیز اغرض زندگی کے ہر پہلو کے بارے میں راہنمائی اس کتاب مبنیں میں موجود ہے۔ لیکن ایک پڑھا لکھا شخص یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ کسی فن کی کتاب کے مفہوم اور مطلب کو سمجھنے کیلئے صرف اس کتاب کی زبان کو جانا کافی نہیں بلکہ اس فن کو کسی ماہر استاذ سے حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ کوئی شخص قرآن حکیم کا مطالعہ کر کے خود قرآن حکیم کے احکام کو سمجھنے کی کوشش کرے اور رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریع کو سامنے نہ کر کے تو پھر وہ شخص قرآن حکیم سے ہدایت نہیں حاصل کر سکے گا۔ یہ بات خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ پیش آئی جو کہ اہل زبان تھے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے: ”لِعِنَ الْكُرْتَهِينَ وَضُوِّيَّعِشُلَ كیلئے پانی نہ ملے تو پھر تم پاکیزہ مٹی سے تیم کر لوا اور اپنے چہروں اور پاہوں کوں لو۔“ اب ایک صحابی کو تیم کی ضرورت محسوس ہوئی تو مشکل میں پڑ گئے۔ بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچنے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیم کا طریقہ سکھایا۔ یوں ان حضرات کیلئے آسانی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا میں آنے کے تین مقاصد بیان فرمائے ہیں: يَتَّلَوُ عَلَيْهِمْ أَيْنَكَ وَيَعْلَمُهُمُ الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ وَيُنَزِّلُهُمْ طَاسٌ آیت کریمہ میں رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول ہنا کر سمجھنے کا ایک مستقل مقصد کتاب اللہ کی تعلیم دیا جیسی بیان کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ تعلیم رسول ہی

کے ذریعہ قرآنی تعلیم کا صحیح علم حاصل ہو سکتا ہے۔ اور قرآن کو تعلیمات رسول سے جدا کر کے خود سمجھنے کی کوشش کرنا اور رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریفات سے رخ موڑ کر اپنی تشریفات کو زندگی کی بنیاد بنانا ہدایت کے بجائے کھلی گمراہی ہے۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ قرآن حکیم کتاب نہیں ہے۔ واضح کتاب ہے۔ اگر مضافاً میں قرآن کو بتانے اور سکھانے کی ضرورت نہ ہوتی تو رسول سمجھنے کی ضرورت بھی نہ ہوتی۔ اللہ کی کتب کسی اور طریقے سے بھی انسانوں تک پہنچائی جاسکتی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ تو علیم و حکیم ہیں وہ جانتا ہے ہے کہ مضافاً میں قرآن کی تعلیم کیلئے معلم ضروری ہے۔ اور اس کیلئے عام استاذ کافی نہیں بلکہ مضافاً میں قرآن کی تعلیم و تفہیم کیلئے احادیث مبارکہ کی ضرورت ہے۔ التدبیر العزت ہمیں قرآن حکیم کے احکامات پر اسی مفہوم اور طریقے کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس کی تعلیم و تشریح رسالت میں آب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدمت حدیث پر دعا دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

نَصَرَ اللَّهُ اِمْرَاءَ سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا وَأَذَاهَا كَمَا سَمِعَ .

”اللہ تعالیٰ اس شخص کو ترویزہ اور خوشحال رکھیں جس نے میری حدیث کو سنایا ہوا سے یاد کیا اور اسے

آگے پہنچای جیسے اس نے سنًا۔“

امت مسلمہ کے موجودہ حالت کا تقاضہ ہے کہ ہم سب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ارشادات پر ہیں، سمجھیں اور اپنی عملی زندگی میں اپنا نئی اور دنیا میں رانج غیر اسلامی تہذیب کے مقابلے میں آقائے دوجہاں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک تہذیب اور معاشرت کو اپنا نئیں۔ اس لئے کہ آج کے دور میں فتح و نصرت کا معیار مادی ترقی نہیں بلکہ تہذیب ہے۔ جو قوم اپنی تہذیب چھوڑ کر دوسروں کی تہذیب اپنائے وہ گویا فکری طور پر مغلوب اور حکوم بن جاتی ہے، اس لئے ہم مسلمانوں کا یہ دینی فریضہ ہے کہ ہم اسلامی معاشرت کو اپنا نئیں۔ اس سلسلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک اقوال ہمارے لئے تلقیامت مشغول رہا ہیں۔

دوران مطالعہ درج ذیل امور کو مدنظر رکھیں تو ان شاء اللہ فائدہ مندا اور مفید ہو گا۔ ☆ حدیث مبارکہ

کامطالعہ اس نیت و تصور سے کریں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ ہی سے مخاطب ہیں۔

☆ محبیب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جذبہ سے سرشار ہو کر پڑھیں، محسن کا نات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی آنے پر مختصر درود شریف کو سرسری طور پر نہیں بلکہ پورے عزم و یقین واردہ سے پڑھیں۔ کیونکہ

اللہ تعالیٰ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر ہمارا دنیا و آخرت میں کوئی محنت نہ ہو گا۔  
 ☆ حدیث شریف میں چالیس احادیث یاد کرنے پر جنت کی بشارت ہے اس رسالت سے آپ پاسانی حاصل کر سکتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص میری امت کے فائدے کے لئے دین کے کام کی چالیس (40) احادیث یاد کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن علماء اور فقہاء کی جماعت میں اٹھائے گا اور قیامت کے دن میں اس کی شفاقت کرنے والا اور اس (اطاعت پر) گواہ بنوں گا۔ (مظاہر حق جدید، جلد اص ۲۹۹)

ایک حدیث مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يَلْعُفُونَ عَنِّيْ وَلَوْ أَكَانَ آيَةً .

”میری طرف سے دوسروں کو فائدہ پہنچاؤ خواہ ایک ہی آیت ہو۔“ نیز فرمایا: سب سے افضل صدقہ یہ ہے کہ مسلمان علم دین کی بات سیکھنے پھر اپنے مسلمان بھائی کو تکھادے۔ (ابن ماجہ)  
 لہذا اس پر فتن دور میں اسلام کی تعلیمات سیکھنے کے لئے اس مجموعہ کی روشنی میں سلیمان الطبع مسلمان دین کا فہم حاصل کر سکتا ہے۔ رب العالمین کے حضور انجاء ہے اللہ پاک اس کوشش کو قبول فرمائیں اور ہمیں دنیا میں اتباع سنت کی توفیق کے ساتھ تحفظ ختم نبوت کے مبارک کام سے وابستہ رکھیں اور روزِ محشر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاقت سے سرفراز فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ جمل مجدہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس نے اس ناجائز و ناقلوں کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرموداں و ارشادات عالیہ کو آپ تک پہنچانے کی خدمت کا ذریعہ بنایا۔ والحمد لله علی ذلک۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس سعی کو قبول فرمائے اور ہم سب کو ان ارشادات پاک کو حرز جان بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اے اللہ! یہ حقیر و ناجائز خدمت جو آقائے دو جہاں رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات گرامی تیرے بندوں تک پہنچانے کے لئے کی گئی ہے اسے اپنی بارگاہ میں اپنے فضل و کرم سے قبول فرماؤ مریمی اور میرے والدین، اہل و عیال، بہن بھائیوں، عزیز واقارب، جملہ دوست احباب اور جو یہ ارشادات پڑھیں، سنیں سب کی بخشش اور نجات کا ذریعہ بنائیں۔ (آمین یا الال العالمین)

## پڑوسيوں سے حسن سلوک

فَالْرَّسُولُ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمُنُ جَارَهُ بِوَاقِفَةٍ . (رواه مسلم)  
فرمایا: رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ شخص بہشت میں نہیں جائے گا جس کے ہمسائے اس کی  
کلائف سے محفوظ نہ ہوں۔

یعنی اس گناہ کے باعث پہلے پہلی نہیں جا سکتا۔ یا الگ بات ہے کہ دوزخ میں سزا بھگت کر بہشت میں جا  
پہنچ۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”الادب المفرد“ میں پڑوی کے حقوق سے متعلق ایک حدیث نقل  
کی ہے جس میں ابو شریخ خراصی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ علیہ السلام  
نے فرمایا: ”جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے پڑوی سے اچھا برداشت  
کرے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہوا سے چاہئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ اور جو شخص اللہ  
تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہوا سے چاہئے کہ بھلی بات بولے یا خاموش رہے۔“

اس حدیث پاک میں ایمانی تقاضوں میں سے تین امور کا ذکر کیا گیا ہے جن میں سب سے پہلا اپنے  
پڑوی کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ دوسرا مہمان کا اکرام اور تیسرا بات یہ ہے کہ زبان کو لا یعنی سے بچائے۔ اگر  
کچھ بولے تو صرف بھلی بات بولے درخواست مار رہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
سے پوچھا کہ نیمرے دو پڑوی ہیں کس کے پاس ہدیہ بھیجا کروں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس  
کا دروازہ تمہارے دروازہ سے قریب ہے اس کے پاس۔ (الادب المفرد)  
اس سے معلوم ہوا کہ سب سے قریبی دو پڑوی وہ سمجھا جائے گا جس کا گھر اور جس کا دروازہ قریب تر ہوں  
اس کا حق بھی سب سے زیادہ ہے۔

درج بالا احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اسلام میں پڑوسيوں کے کیا حقوق و آداب ہیں۔ ایک اچھے اور  
خالص مسلمان کی پہچان یہی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے پڑوی کے ساتھ حسن سلوک، محبت و ایثار اور ہمدردی و بھائی چارگی  
کے جذبات و احساسات کے ساتھ پیش آتا ہے۔ جس سے محلے، معاشرے اور قوم میں اتحاد و اتفاق کی فضائل قائم ہوتی  
ہے اور شیطان ذیل و رسوا ہوتا ہے۔

## اسلام اور انسانی حقوق

**قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِيمَ الْمُسْلِمُونَ مَنْ لَسَانِهِ وَيَدِهِ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ . (رواه البخاری)**

فرمایا: رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ شخص ہے جو ہر اس چیز کو چھوڑ دے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔

مسلمانوں میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ مخلوقات کے حقوق بھی ادا کرے اور ان کی عزت اس کے شر سے محفوظ رہے، اور اسی طرح بہترین مہاجر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کر دہ چیزوں کو چھوڑ دے۔ (عمدة القارئ - جلد اول ص ۱۵۵)

آدمی کی توبہ پوری اس وقت ہوتی ہے جب بندوں کے حقوق بھی پورے ادا کرے۔ یہ بات یاد رکھیں بندوں کے حقوق صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتے بلکہ ان کو ادا کرنا چاہئے۔ مثلاً کسی کا مال ناجائز طریقے سے لیا ہے، یا کسی سے قرضہ لیا تھا، اس کا قرضہ ادا کرے۔ (قرض دینے والے کو یاد ہو یا نہ ہو) یا کسی سے مال میں اپنی طرف سے خیانت ہو چکی، ہو یا اس کی کوئی چیز مذاق میں رکھ لی ہو۔ (جب کہ وہ اس کے دینے پر دل سے راضی نہ ہو) یا کسی سے سود لیا ہو یا غلط بیانی سے دھوکہ دے کر مال کمایا ہو تو اس طرح کے سب قسم کے اموال واپس کر دے جو مال کسی کو بتائے بغیر چھپ کر لیا تو اس کی واپسی کے وقت یہ بتا ناضروری نہیں کہ میں نے آپ کے مال میں خیانت کی تھی۔ بدیہی کے نام سے دینے سے بھی ادا بیگنی ہو جائے گی۔ آج دنیا بار بار امن و امان، سکون و سلامتی اور حقوق انسانی کا نام لینے کے باوجود ظلم و زیادتی اور بدانستی میں جس بڑی طرح چنسی ہوئی ہے وہ کوئی ڈھکی چھکی بات نہیں ہے۔ آج دنیا کے گوشے گوشے میں قتل و خروزیزی سے انسانیت جس طرح کانپ اٹھتی ہے اس سے کوئی باخبر انسان انکار نہیں کر سکتا۔ کاش ہم مخلوقات خدا کے حقوق پا مال کرنے کی بجائے ان کے حقوق ادا کرتے، افسوس! ارباب اقتدار اس کے اصل سبب کا گھونج لگاتے اور اسلام کے نظام امن و سلامتی کا بغور مطالعہ کرتے تو نظام امن و سلامتی کے صحیح خدوخال ان کے سامنے آ جاتے اور حقوق انسانی کا گھبییر مسئلہ حل ہو کر دنیا کی بہت ساری گھیاں سلچھ جاتیں۔ اور آج دنیا واپسی کی بجائے سکون کی زندگی، امن و سلامتی کی زندگی گزارنے میں کامیاب ہو جاتی۔

## شرم و حیاء

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلَهُ وَسَلَّمَ إِذَا لَمْ تَسْتَخِي فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ .

”فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب تجھے شرم و حیاء نہ ہے تو جو چاہے کرتا پھر۔“

حیاء کے معنی شرم کے ہیں، انسان کے اندر شرم و حیاء کا جذبہ ایک فطری جذبہ ہے اور اس کا اولین مظہر شرم و حیاء ہے جو انسان کو اپنے جسم کے مخصوص حصوں کو دوسروں کے سامنے کھولنے میں فطرتی عار محسوس کرتا ہے۔ اور یہ حیاء (شرم) وہ قوت ہے جو انسان کو فحشاء اور ممکرا کا اقدام کرنے سے روکتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر دین کا ایک اخلاق ہوتا ہے اور اسلام کا اخلاق حیاء (شرم) ہے۔ چونکہ حیاء فطرت انسانی ہے اس لئے تمام جرائم اور ممکرات کا ارتکاب انسان فطرت حیوانی کے غلبے سے کرتا ہے۔ اس نے انسان کی نظرت میں کوئی ایسی چیز ہونی چاہئے جو ان تمام جرائم اور ممکرات سے نفرت دلاتی ہو۔ شارع حکیم نے اس کی نشاندہی کر دی ہے اور اس کو حیاء سے تعبیر کیا ہے۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے کا حق اس طرح ادا کیا جاسکتا ہے کہ سر اور سر میں جو افکار و خیالات ہیں ان سب کی گھبہ داشت کی جائے، نیز پیٹ اور اس میں جو کچھ داخل ہے اس کی گھرانی کی جائے (یعنی برے خیالات سے دماغ کی اور حرام و ناجائز غذا سے پیٹ کی حفاظت کرنی چاہئے) اور موت کے بعد قبر میں پیش آنے والے حالات کو یاد کھا جائے۔ جو شخص یہ سب کچھ کرے گا سمجھو اس نے اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے کا حق ادا کر دیا۔ حیاء کے بارے میں اسلامی تعلیمات ہمارے ضمیر کو زیادہ حساس اور طاقتور بناتی ہیں، ہمارا ضمیر غلط اور صحیح میں تمیز کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامل الحیاء انسان تھے، تہذیب و شرافت اور شرم و حیاء کا ایک معیار ہے جو اسلام پیش کرتا ہے اور دوسرا معیار وہ ہے جو مغربی عربیاں تہذیب پیش کر رہی ہے کہ بے جانی کے بغیر وہ تکمیل ہی نہیں پائی۔ مغرب میں عریانیت کا یہ عالم ہے کہ مرد و عورت سر بازار نگے ہو کر رہ گئے ہیں۔ یہ کسی روشن خیالی ہے، کسی ترقی ہے جس کا ہر درجہ پر بے غیرتی کے داہن میں جا کھلتا ہے۔ انسانیت اور خصوصاً عورت کا احترام و تقدس پاہال کیا جا رہا ہے۔ اس پر خوبصورت الفاظ کی طبع کاری کی جا رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافرمان ہے: ”حیاء اور ایمان ایک ساتھ ملائے گئے ہیں۔ جب ان میں سے ایک بھی اٹھتا ہے تو دوسرا بھی اٹھ جاتا ہے۔“ ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ”حیاء ایمان کا حصہ ہے اور صاحب ایمان جنت میں ہوگا اور بے حیائی ظلم ہے اور ظلم کا انجام جہنم ہے۔ اللہ ہمیں اس صفت سے آراستہ کرے اور دنیا و آخرت کی کامیابی سے ہمکنار کرے۔ (آمین)

## حسن اخلاق

عَنْ أَنَسِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ حَدَّمَتِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَشَرَ سِنِينَ فَمَا قَالَ لِي أَقْ وَلَا لِمَ صَنَعْتَ وَلَا أَلَا صَنَعْتَ . (متقن عليه)

حضرت انس رضي الله عنہ روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دل سال خدمت کی ہے مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اف بھی بھی نہیں کہا اور نہ یہ کہ تم نے یہ کیوں کیا اور نہ یہ کہ کیوں تم نے نہیں کیا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق مجیدہ کا ثبوت ہے ورنہ یہ نامکن ہے کہ جھوٹے بچے کے کسی فعل پر غصہ نہ آئے، ایسے ناتحریر کار بچے روزانہ کئی کام ایسے کرتے ہیں جن پر انہیں جھوڑ کنا پڑتا ہے۔ اسلام نے نیک اعمال اور اپنے اخلاق کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور مسلمانوں کے اخلاقی اقدار کی پاسداری کو نہیں فریضہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ انسان کی انفرادی و اجتماعی، دینی و دنیوی واخروی زندگی کا درود مدار نیک اعمال اور عمدہ اخلاق سے وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نیک عمل کو جنت کی کنجی قرار دیا گیا ہے۔ شاستریت زندگی کے آداب میں سے اہم امر ”حسن اخلاق“ ہے۔ انسان اور حیوان کا فرق جس قدر اخلاق سے ہوتا ہے، کسی اور چیز سے نہیں ہوتا۔ حسن اخلاق کسی ایک بات کو نہیں کہتے بلکہ اعمال حسنہ کے مجموعہ کا نام حسن اخلاق ہے۔ اس مجموعے میں بزرگوں کا احترام، دوستوں سے محبت اور کم عمر والوں پر شفقت کا برداشت، بھی شامل ہے۔ دنیا میں جتنے بھی انبیاء علیہم السلام تشریف لائے سب نے نیک اعمال اور اخلاق حسنہ کی تعلیم دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبعوث ہونے کا مقصد نیک اعمال اور عمدہ اخلاق کو پایہ تیجیل تک پہنچانا قرار دیا۔ کیونکہ اس سے ماحول صلح اور پاکیزہ بنتا ہے، معاشرے میں امن و سکون کی فضاظاً قائم ہوتی ہے جس معاشرے میں حسن اخلاق پایا جاتا ہے دہل نہ بد دیانتی ہوتی ہے، نہ بدگانی۔ لوگ ایک دوسرے پر بھروسہ کرتے ہیں اور اپنی ذمہ داری کو اچھی طرح بجا تے ہیں۔ ہر ایک اپنی عزت و آبرو کی طرح دوسروں کی عزت و آبرو کا احترام کرتا ہے۔ حسن اخلاق کی بدولت امیر آدمی تو افضل و اکساری اختیار کرتا ہے اور غریب آدمی اپنی غربت کے باوجود خودداری و غیرت مندی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ برے اعمال اور برے اخلاق سے انسان حیوان بن جاتا ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہوتا ہے۔ جس معاشرے میں نیک اعمال اور عمدہ اخلاق کا فقدان ہو وہ معاشرہ فسادات کا گھوارہ بن جاتا ہے۔ ایک دوسرے پر سے اعتدالت ہم ہو جاتا ہے، وہاں نہ عزت محفوظ رہتی ہے نہ آبرو، اس کے علاوہ قتل و غارت گری، چوری، ڈاکر زنی، ودیگر بعد عناییاں معاشرے کا حصہ بن جاتی ہیں۔ جیسے آج کل ہمارے معاشرے میں ہو رہا ہے کہ روزانہ قتل و غارت گری، چوری اور ڈاکے کا معمول بن چکا ہے۔

## موسیقی کی ناپاک صدائیں

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لَا طَاعَةٌ فِي مَعْصِيَةٍ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ۔  
”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گناہ میں کسی کا کام  
نہ مانا جائے سوائے اس کے نہیں کہ فرمانبرداری نیکی میں ہوتی ہے۔“ (تفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گناہ سننا گناہ ہے اس کے  
پاس بیٹھنا فتنہ ہے اور اس سے لذت حاصل کرنا کفر ہے۔ (نیل الاوطار) فتنہ کا مطلب نافرمانی، بدکاری، گناہ  
ہے۔ جسی ٹوی پر ہم گھنٹوں بیٹھتے ہیں، اس ٹوی پر ۸۵ فیصد پروگرام موسیقی پرمی ہوتے ہیں۔ موسیقی سننا، گانے  
سے لذت حاصل کرنا کفر ہے یعنی جسمونا، بے خود ہونا، ہاتھ پاؤں ہلانا۔ کون ہے جو موسیقی سنتا ہو اور لذت نہ لیتا ہو۔  
حتیٰ کہ سواسال کے پچے کے سامنے گانا گاؤ تو وہ تحریر کرنے لگتا ہے۔ سچیں! کون کفر کا مرتبہ نہیں ہو رہا۔ حضرت عبد  
اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گاندال میں نفاق کو یوں  
اگاتا ہے جیسے پانی کھٹی کو۔ (نبیق، ابو داؤد) موسیقی ایک خطرناک دبای کی طرح ہماری چہار جانب پھیل چکی ہے۔  
پچھے، جوان، بوڑھے، خواتین، حضرات سب موسیقی کے سحر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ عیاش پرست حکمران ہر زمانے  
میں عوام کو کھیل، تماشوں اور قصص و سرور میں غرق کر دینے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ انہیں زندگی کے سنجیدہ مسائل کی  
طرف توجہ کرنے کا ہوش ہی نہ رہے۔ اور اس عالم مستی میں ان کو سرے سے یہ محسوں ہی نہ ہونے پائے کہ انہیں کس  
تابی کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ ہر گھر میں موسیقی کی ناپاک صدائیں گونج رہی ہیں۔ گھر میں خواتین جب تک اوپنی  
آواز میں ٹوی ریڈ یو پر گانے نہ لگالیں، کام شروع نہیں کرتیں۔ موسیقی کو ٹھکن اور بوریت دور کرنے کا ذریعہ سمجھتی  
ہیں۔ مردم حضرات ففتر میں جاتے ہوئے گاڑی میں گانے نہ کر گھر کی کرنسی کا سرکال لیتے ہیں، پارکوں، گلیوں، بازاروں،  
ہوٹوں، بسوں اور کاروں ہر جگہ موسیقی آپ کا استقبال کرتی ملے گی۔ مہندی کا تصویر ناجانے کے بنا ممکن نہیں، شادی  
سے ہفتیں گھر میں ریکارڈ نگ کا سلسہ پوری آب و تاب کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ پیک ٹرنسپورٹ کیسٹ کا بن  
دباۓ بغیر اسارت نہیں ہوتی۔ موسیقی سے پچنا محال ہو گیا ہے۔ اب تو نتیں بھی موسیقی کے ساتھ پڑھی جا رہی ہیں۔  
موسیقی میخواز ہر بن کر اندر اترنی ہے۔ نوجوان نسل ایک لمبی بھی موسیقی کے بغیر گزارنے پر تیار نہیں۔ وہ نوجوان نسل  
جن کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: میں آلات موسیقی توڑنے کیلئے بھیجا گیا ہوں۔ (نیل  
الاوطار) لہذا ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہم اپنی قیمتی زندگی کو کس قدر بر باد کر رہے ہیں اور وہ زمشراپنے مالک و  
خالق کو کیا جواب دیں گے۔ اللہ ہمیں ہدایت عطا فرمائیں اور اس پر استقامت فصیب فرمائیں۔ (آمین)

## اسلامی لباس کے بنیادی اصول

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ الْبِسْوُا الْبَيْاضَ فَإِنَّهَا أَطْهَرُ وَأَطْيَبُ ، وَكَفِنُوا فِيهَا مَوْتَانِكُمْ . (نسائی، حاکم)

فرمایا: رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم سفید کپڑے پہنا کرو، اس لئے کہ وہ پاکیزہ اور عمدہ ہیں اور اس میں اپنے مُردوں کو کفن دیا کرو۔“

لباس کا سب سے بنیادی مقصد ستر کا چھپانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے جسم کے کچھ حصوں کو عورت قرار دیا ہے۔ یعنی وہ چھپانے کی چیز ہے۔ عورت کا سارا جسم سوائے چہرے، گٹوں اور ہاتھ کے سب کا سب عورت اور ستر ہے۔ جس کا چھپانا ضروری ہے اور کھونا جائز نہیں۔ اور مردوں کے لئے سفید لباس محبوب ترین اور عمدہ ہے یعنی سفید کپڑا اختیح ہے۔ اسلام کی تعلیمات زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہیں۔ لباس بھی زندگی کے گوشوں میں سے اہم گوشہ ہے۔ اس لئے قرآن و سنت نے اس کے بارے میں اصولی ہدایات دی ہیں۔ لباس کا معاملہ اتنا سادہ اور آسان نہیں کہ ادنیٰ جو چاہئے لباس پہننا رہے اور اس لباس کی وجہ سے اس کے دین اخلاق اور اس کے زندگی کے طرز عمل پر کوئی اثر واٹھ نہ ہو۔ یہ ایک مسلم حقیقت ہے جس کو شریعت نے ہمیشہ بیان فرمایا ہے۔ اب سائنس اور اس کے ماہرین بھی اس حقیقت کو تسلیم کرنے لگے ہیں کہ لباس کا انسان کے کردار پر اثر واٹھ ہوتا ہے حالات کے لحاظ سے۔ مختلف ممالک میں وہاں کے موسموں اور ضروریات کے لحاظ سے لوگوں کا لباس مختلف ہو سکتا ہے۔ کہیں باریک، موٹا، کہیں کسی وضع کا اور کہیں کسی بہیت کا لباس اختیار کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے اسلام نے لباس کے بارے میں کچھ بنیادی اصول بتا دیئے ہیں۔ ان اصول کی روایت ہر حالت میں رکھنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے لباس کے چار بنیادی اصول بتا دیئے ہیں فرمایا کہ: اے بنی آدم، ہم نے تمہارے لئے لباس اتنا راجو تھا ری پوشیدہ اور شرم کی چیزوں کو چھپاتا ہے اور جو تمہارے لئے زینت کا سبب بنتا ہے اور لباس تمہارے لئے سب سے بہتر ہے۔ (سورہ اعراف)

لہذا لباس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ شریعت کے مقرر کئے ہوئے ستر کے حصوں کو چھپائے۔ لباس کے بنیادی مقصد کو پورا نہ کرنے کی تین صورتیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ لباس اتنا چھوٹا ہو کہ لباس پہننے کے باوجود ستر کا کچھ حصہ کھلا رہ جائے۔ دوسرا لباس اتنا باریک ہو کہ اس سے اندر کا بدن جھلتا رہے۔ تیسرا صورت کہ لباس اتنا چھست ہے کہ لباس پہننے کے باوجود جسم کی بناوٹ ظاہر ہو رہی ہے۔ یہ بھی ستر کے خلاف ہے۔ اس لئے مرد کے لئے ناف سے لے چھٹوں تک کا حصہ ایسے کپڑوں سے چھپانا ضروری ہے جو اتنا مٹا ہو کہ اندر سے جسم نہ جھلکے اور اتنا مکمل ہو کہ جسم کا کوئی حصہ کھلانا رہ جائے۔ اور یہی تین چیزیں عورت کے لباس میں بھی ضروری ہیں۔ شریعت کی نگاہ میں وہ لباس ہے جسی نہیں جو خواتین بہت باریک یا چھست پہننے ہیں جس میں جسم کی بناوٹ نمایاں ہوتی ہو۔ ایسی خواتین کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ خواتین لباس پہننے کے باوجود انکی ہیں۔ (صحیح مسلم)

## نکاح کی شرعی حیثیت

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَنْ وُلَدَ لَهُ، وَلَدٌ؟ فَلَيْسُ حُسْنُ اسْمَهُ، وَأَذَّبَهُ، فَإِذَا  
بَلَغَ فَلَيْزَوْجُهُ فَإِنْ بَلَغَ وَلَمْ يُزَوْجُهُ فَأَصَابَ إِنْمَا فَإِنْمَا إِنْمَاءُ اللَّهُمَّ، عَلَى أَبِيهِ۔ (یہ حق)

فرمایا: رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کو اللہ تعالیٰ اولاد دے تو چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو اچھی تربیت دے اور سلیمان سکھائے۔ پھر جب وہ سن بلوغ کو پہنچ تو اس کے نکاح کا بندوبست کرے۔ اگر (اس نے اس میں کوتاہی کی اور) شادی کی عمر کو پہنچ جانے پہنچی (اپنی غفلت و بے پرواہی سے) اس کی شادی کا بندوبست نہیں کیا اور اس کی وجہ سے حرام میں بنتلا ہو گیا تو اس کا باپ اس گناہ کا ذمہ دار ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی بقاء اور انسان کی فطری خواہش کی تکمیل کا جائز ذریعہ نکاح کو فرا ردا یا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مرد و عورت جن کو شادی کی ضرورت محسوس ہو ضرور شادی کریں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”او تم میں جو بنے نکاح جوں ان کا نکاح کر دیا کرو۔“ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سے جو شخص پاک و صاف ملتا چاہے اس کو شریف عورتوں سے شادی کرنی چاہئے۔

حضرات فقہاء کرام نے قرآن و سنت کی روشنی میں نکاح کا تفصیلی حکم یوں بیان فرمایا ہے کہ نکاح کے فرض، واجب، سنت و ناجائز ہونے کو الگ الگ بیان فرمایا کہ:

نکاح فرض: غلیظ شہوت کی وجہ سے اگر زنا میں بنتلا ہونے کا یقین ہو تو نکاح کرنا فرض ہے۔

نکاح واجب: اگر زنا میں بنتلا ہونے کا یقین نہیں لیکن شہوت کا غلبہ رہتا ہے تو نکاح واجب ہے۔ لیکن نکاح فرض ہو یا واجب ہر صورت یہ بھی شرط ہے کہ وہ شخص زوجہ کا نان فقہ کا ادا کر سکتا ہو، مہر دے سکتا ہو اور اگر اس میں اس کی قدرت نہیں تو نکاح نہ کرنے میں گناہ نہیں ہو گا۔ اگر مہر اور نان و نقہ کی قدرت کے باوجود نکاح نہیں کرے گا تو پہلی صورت میں فرض کے چھوڑنے کا گناہ ہو گا۔ دوسری صورت میں واجب کے چھوڑنے کا گناہ ہو گا۔ نکاح سنت: اگر زنا میں بنتلا ہونے کا خوف نہیں اور نہ اس پر غلیظ شہوت ہے اور حقوق زوجت کے ادا کرنے پر قادر ہے، نقہ و مہر کی قدرت بھی رکھتا ہے تو ایسے شخص کے لئے نکاح کرنا سنت موکدہ ہے۔ اگر ترک کرے گا تو سنت موکدہ کا تارک ہو گا۔ نکاح مکروہ: اگر کوئی شخص بد مزاج ہے اور غالب گمان ہے کہ بد مزاجی کے شر سے بیوی نفع سکے گی تو نکاح کرنا مکروہ ہے۔ نکاح حرام: اگر بد مزاجی کی وجہ سے یقین ہو کہ یوں یقیناً ظلم کا شکار ہو گی تو ایسے شخص پر نکاح کرنا حرام ہے۔ (راجح در محمار)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جانی ہے کہ جو لوگ نان و نقہ پر قادر نہیں یا وظیفہ زوجیت ادا نہیں کر سکتے، دل کی کمزوری یا نامردی یا کسی اور بیماری کی وجہ سے تو ان کا فعل نکاح بھی باعث گناہ ہو گا۔ اگرچہ کیا ہو اس نکاح شرعاً صحیح ہو گا، جیسا کہ جمع کے دن اذان کے بعد خرید و فروخت منوع ہے لیکن اگر کوئی شخص کچھ خریدے تو اس چیز کا مالک ہو جائے گا۔ ایسے ہی اس کا وہ فعل باعث گناہ ہو گا لیکن اس کا نکاح منعقد ہو جائے گا۔

## حقوق النساء

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ إِنِّي أُخْرِجُ حَقَّ الْعَصْرِيْمِ الْيَقِيْمِ وَالْمَرْأَةِ.  
فَرَمَيْاً: نَبِيُّ أَكْرَمٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ نَزَّلَ "إِنَّ اللَّهَ مِنْ أَوْلَئِكَ مَنْ كَوَدَ نَزَارَوْنَ" كَتَنَ كَمَلَ مِنْ سَلَمَهُ مِنْ بَهْتَ  
ذَرَاتَاهُوْلَ لِيْتَنِي يَتَمَّ اورَعُورَتْ." (رواہ النسائی)

آخرِج میں خوب ذرا تاہوں اور بہت ذرا نٹ پڑ کرتا ہوں اور گناہ کا رکھتا ہوں اور انہائی بختی کے ساتھ  
ذراتاہوں، جوان دنوں کے حقوق کو ضائع کرے۔ ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں  
کہ رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: مونوں میں کامل ایمان والے وہ ہیں جو اخلاق میں سب سے اعلیٰ ہیں  
اور تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو عورتوں سے بہتر برداشت کرنے والے ہیں۔ عورتوں کے جائز حقوق سے متعلق دین  
اسلام کی بہت ساری تعلیمات کو ہمارے ملک و معاشرے میں جس بے دردی کے ساتھ کچلا جا رہا ہے وہ انہیں قابل  
افسوں ہے۔ بہت سے نام لیوا مسلمان جہالت اور نگز نظری کے باعث حقوق خواتین سے پہلوتی کر کے اسلام کے  
نام پر بدنما داغ بن رہے ہیں۔ عورتوں کے حقوق کے حوالے سے جن امور میں غفلت لا پرواہی برقراری ہے۔  
مثلاً: دراثت کے حوالے سے بڑی کوتاہی دیکھنے میں آئی ہے کہ باپ کی وفات پر بیٹیوں کو اور بھائی کی موت پر اس کی  
بیوی کو دراثت میں حصہ نہیں ملتا۔ وہ غریب خاموش رہنے میں ہی عافیت سمجھ لیتی ہیں۔ ان کی اس خاموشی کو ان کی رضا  
مندی قرار دے کر ان کے حق کو اپنے لئے جائز سمجھ لیا جاتا ہے۔ بعض لوگ خواتین کو ان کا حق دینے میں مختلف ہہا نے  
تراشتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ محنت اور کمانے میں تو ہم باپ یا بھائی کے ساتھ تھے یا یہ کہ یہاں قابل تقییم نہیں یا یہ کہ ہم اس کو  
ان کی شادی پر خرچ کر دیں گے۔ خوب سمجھ لیں ان کے حق میں معمولی کی یا تاخیر کرنا بھی حرام ہے۔ نکاح: شریعت نے  
عورت کا حق رکھا ہے کہ وہ بالغہ ہو جائے، اس کے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے نیک شریف خاندان کے لڑکے سے  
اس کا نکاح کر دیا جائے۔ اس کی شادی میں تاخیر کرنا یا بے جوڑ نکاح کرنا، مثلاً مرد نکامہ ہے، یا اس کی عمر بہت زیادہ ہے۔  
یہ عورت کے ساتھ زیادتی ہے۔ جس کی ایک شکل و مدد سہ ہے۔ اس سے ملتی جلتی ایک اور گھاؤنی رسم عورت کا قرآن سے  
نکاح کر دینے کی ہے جو کتاب اللہ کے ساتھ ایک عجیب نہیں ہے۔ اور عمر بھر کے لئے عورت کے جذبات کچل دینے اور  
اس کے ساتھ بدترین ظلم کرنے کے متراوٹ ہے۔ مہر: یہ عورت کا حق ہے۔ پہلی رات عورت سے (شرماء، شرمائی) میں  
اس کو معاف کر لیا یا استطاعت کے باوجود نہ دینا اس کی حق تلفی ہے۔ تین طلاقیں: بعض ناعاقبت اندیش مرد جذبات  
میں آ کر بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے ڈلتے ہیں۔ پہلی ایک لمحے میں ہستابتا گھر اجاڑ کر اپنی واپسی کے لئے کوئی  
راسٹہ نہیں چھوڑتے۔ کیونکہ ایک صارع اور پاکیزہ معاشرے کی تشکیل میں صنف نازک کے شرعی حقوق کی بجا آوری  
بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اللہ میں پورے دین پر عمل کرنے کی توفیق دیں۔ (آمین)

## ظاہری و باطنی پاکیزگی

قالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا .

فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ صرف پاکیزگی کو پسند کرتا ہے۔ اسلام میں طہارت کی بہت اہمیت ہے۔ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پاکیزگی نصف ایمان ہے۔ (صحیح مسلم) طہارت کے چار مرتبے ہیں: پہلا مرتبہ بدن کو نجاست سے اور بے وضو ہونے سے پاک کرنا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے کسی بڑے گناہ کی وجہ سے۔ ان میں سے ایک کو تو عذاب اس لئے دیا جا رہا ہے کہ وہ پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں پچتا تھا اور دوسرا شخص چغل خوری کرتا تھا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

مطلوب یہ ہے کہ پیشاب کی چھینٹوں سے بچنا آسان کام تھا، لیکن نہ بچنے کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پیشاب کی چھینٹوں سے بچو، کیونکہ اکثر عذاب قبراس کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (داویطی) ذرا غور فرمائیں کہ حدیث سے کتنی سخت وعید مذکور ہے۔ تھوڑی سی غفلت کی بنا پر کتنے سخت عذاب میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے پیشاب کی چھینٹوں سے پوری احتیاط کی جائے۔ اور کوئی بھی نجاست کپڑے پر لگ جائے تو فوراً ہو کر پاک و صاف کر لیا جائے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر میں ہم سے پیچھے رہ گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس پہنچے اس حال میں کہ ہم وضو کر رہے تھے میں اپنے پاؤں کو دھونے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز سے تین بار پکار کر فرمایا: ہلاکت ہوان ایڑیوں کے لئے جو آگ سے ہیں۔ یعنی جو اچھی خشک رہ گئی وہ آگ میں جلنے کی یعنی پاؤں کا کوئی حصہ خشک نہ رہنے پائے۔ وضو کمل اور اچھی طرح کرنے کے بارے میں حدیث میں بہت بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ جناب رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے خوب اچھی طرح وضو کیا تو اس کے جسم سے اس کے گناہ نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں۔ (مسلم)

طہارت کا دوسرا مرتبہ اعضاء کو گناہوں سے پاک و صاف کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: بے شک کان اور آنکھ اور دل ان تمام سے قیامت میں سوال کیا جائے گا۔ دوسرا جگہ ارشاد ہے فرمایا: آج کے دن ہم ان کے منہ پر مہر لگادیں گے ان کے ہاتھ کلام کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے جو یہ اعمال کرتے تھے۔ اس لئے تمام اعضاء کو گناہوں سے اور ظاہری نجاست سے خوب پاک و صاف رکھنے کا اہتمام والترام کیا جائے۔

## ماہ صفر اور خیالاتِ فاسد

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَا عَذُونَى وَلَا هَامَةٌ وَلَا نَوَّءٌ وَلَا صَفَرٌ .  
 فرمایا: رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ مرش کا (یعنی ایک سے) دوسرا کو گل جانا، اور، ستارہ اور صفر (کی خوست وغیرہ) کی کوئی حقیقت نہیں (وہم پرستی کی باتیں ہیں)۔ (صحیح مسلم، ابو داؤد)  
 اسلامی سال کے بارے میتوں میں دوسرا مہینہ صفر امظفر کہلاتا ہے۔ اس میتینے کے تعلق دور جاہلیت سے لے کر اب تک لوگوں کے دلوں میں ایک عجیب و غریب خیال پایا جاتا ہے۔ بعض پڑھے لکھے بھی اس جہالت میں بتلا ہیں کہ اس میتینے میں، خوست، پریشانیاں اور مصائب ہیں۔ ان جاہلانہ خیالات کی تردید آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درج بالا حدیث مبارکہ میں فرمائی ہے۔ یعنی بد شکونی اور پرندوں سے فال لینا اور صفر کے بارے میں غلط خیالات یہ سب باتیں ہے بنیاد ہیں۔ اسی طرح صحیح مسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”لَا صَفَرٌ وَلَا غُولٌ ، یعنی صفر اور غول بیانی سب فاسد خیالات ہیں، ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ آج بھی مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ ایسا پایا جاتا ہے جو حرم اور صفر کے میتینے میں خوشی اور شادی بیاہ کی تقریبات نہیں رکھتا اور ان میتوں کو خوست کے میتینے کہتا ہے۔ یہ جاہلانہ خیال بھی ہے کہ صفر کے میتینے میں شادی صفر (0) ہوتی ہے، یعنی ناکام ہوتی ہے۔ بعض لوگ یکم صفر سے ۱۳ صفر تک کے دنوں کو مخصوص سمجھتے ہیں اور صفر کو تیرہ تیری کہتے ہیں۔ بعض جگہ صفر کی تیرھوں تاریخ کو گولکنیاں وغیرہ پکا کر تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ صفر کی خوست سے حفاظت رہے، یہ سارے اعتقد خلاف شرع ہیں۔ ہمیں ایسے اعتقاد اور ان کے مطابق عمل کرنے سے پچنا چاہیے اور تو بکرنی چاہیے۔ اس میتینے کو مخصوص سمجھنے کا عقیدہ رکھنا اسلام کے عقیدے کے خلاف ہے اور گناہ ہے۔ ذرا غور سمجھنے اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام قرار دینا کتنا خوفناک اور تباہ کن عقیدہ ہے۔ لہذا اس بے اصل بات اور عقیدہ سے اپنی اپنی عورتوں، بچوں اور رشتہ داروں کی حفاظت کریں۔ بعض لوگ صفر کے آخری بده کو خوشی مانتے ہیں اور مٹھائی تقسیم کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ہمیں نقصان اٹھانا پڑے گا۔ حالانکہ آخری بده نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری شروع ہوئی تھی نہ کہ ختم ہوئی تھی۔ اس لئے اس دن کو عیمداننا بالکل بے اصل ہے۔ اس مرض کی ابتداء پر جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے پورہ فرمائے، خوشی مانا کیا محبت کے مدعيوں کو زیب دیتا ہے؟ ہماری یہ جہالت ہم سے محبت کے لباس میں کون سا عمل کروارہی ہے؟ کیا صحابہ کرام سے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عملی محبت کا ادنی سا پیکر کسی غیر صحابی کا پیش کیا جاسکتا ہے؟ ہمارے معاشرے کے لئے یہ ایک لمحہ فکری ہے۔ خدار ہن کو تلاش کریں اور اس کو لازم پکڑیں اور اسی کا انتباع کریں۔ حق کی اتباع ہی کے ذریعے ہم اللہ بزرگ و برتر کی حمایت و نصرت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

## دعا و فن کا اهتمام

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللَّهَ يَعْصِبُ عَلَيْهِ . (رواہ الترمذی)  
فرما یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اللہ سے نہ مانگے اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔  
دنیا میں کوئی نہیں ہے جو سوال نہ کرنے سے ناراض ہوتا ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ ایسا رحیم و کریم اور  
بندوں پر ایسا مہربان ہے کہ جو بندہ اس سے نہ مانگے وہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔ اور مانگنے پر اسے پیار آتا  
ہے۔ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ”اللہ کے بیہاں کوئی چیز اور کوئی عمل دعا سے  
زیادہ عزیز نہیں۔“ (جامع ترمذی، ابن ماجہ)

ہر انسان چاہے وہ امیر ہو یا غریب، بیمار ہو یا صحت مند، صاحب اقتدار ہو یا بے اختیار و محتاج ہی  
رہتا ہے۔ بے نیازی، غنا اور ہر احتیاج سے بلندی صرف رب کریم ہی کی شان ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:  
اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور صرف اللہ ہی بے پروا اور تعریف کا مستحق ہے۔

انسان جب تک اس دنیا میں ہے، ضرورتیں، پریشانیاں، بیماریاں اور مشکلات اس کے ساتھ گی  
ہوئی ہیں۔ ان پریشانیوں اور بیماریوں کا نزول بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور ان کا ازالہ بھی اس  
کے حکم سے ہوتا ہے۔ دعا کرنے سے نہ صرف یہ کہ نازل شدہ مصیبتوں سے نجات ملتی ہے بلکہ آنے والی  
مشکلات سے بھی بچتا ہوتا ہے۔ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دعا نازل شدہ حادث کے  
ازالہ میں بھی فائدہ دیتی ہے اور جو حادث ابھی نازل نہیں ہوئے ان سے بھی بچاتی ہے۔ لہذا اللہ کے بندوں  
کے دعا کا اهتمام کرو۔ (ترمذی)

دعا اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ بادشاہوں کے بادشاہ کے سامنے اپنی  
عاجزی و کمزوری، بے سی و بے کسی کے اظہار اور اس کے سامنے رونے اور گڑگڑانے سے بندے کو رب  
تعالیٰ کا ایسا قرب اور تعلق نصیب ہو جاتا ہے جو کسی دوسرا عبادت سے نصیب نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اللہ کے  
بھی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جس کے لئے دعا کا دروازہ کھل گیا اس کے لئے اللہ کی رحمت  
کے دروازے کھل گئے۔ (ترمذی)

دعاء سے مایوی کے بادل چھپت جاتے ہیں اور دل میں امید اور یقین کی روشنی پیدا ہو جاتی ہے۔  
دعا کی تاثیر پر یقین رکھنے والے شخص کے سارے سہارے چھوٹ جانے کے باوجود اپنے آپ کو بے سہارا  
نہیں سمجھتا۔ وہ آبادی میں ہو یا صحرائیں، فضا میں ہو یا سمندر اور دریا میں، دشمنوں کے شکنچے میں ہو یا حاسدوں  
کے زنگے میں وہ یاں و نا امیدی کو اپنے قریب بھی نہیں پھٹکنے دیتا۔ وہ اس یقین کے ساتھ دعا میں لگا رہتا  
ہے کہ ایک نہ ایک دن میرے لئے در رحمت ضرور کھلے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دعا میں  
خوب لگے رہو کوئکہ جو شخص کثرت سے دروازہ ٹھکھتا تا ہے بالآخر اس کے لئے کھول دیا جاتا ہے۔ (ابن  
شیبہ)

## اداب کے دعا

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يُسْتَجَابُ لِلْعَمَدِ مَا لَمْ يَدْعُ بِإِيمَانٍ أَوْ قَطْعِيَّةِ رَحْمٍ مَا لَمْ يَسْتَجِعْ جَلْ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا إِلَيْكَ تَعَالَى يُسْتَغْفِرُ جَاهَلَ قَدْ دَعَوْتَ وَقَدْ دَعَوْتَ فَلَمْ أَرْ يُسْتَجَابُ لِنِي فَيُسْتَخِسِرُ عِنْدَ ذَلِكَ وَيَدْعُ الدُّعَاءَ۔ (رواہ مسلم)

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بنده کی دعا قبول کی جاتی ہے جب تک کہ وہ کسی گناہ یا رشتہ کے نتیجے کی دعا نہ مانگے۔ اور جب تک کہ وہ جلد بازی نہ کرے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! جلد بازی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا کہ: جلد بازی یہ ہے کہ انسان یوں کہے میں نے دعا مانگی پھر میں نے دعا مانگی لیکن دعا مجھے قبول ہوتی نظر نہیں آئی۔ پھر وہ مایوس ہو کر بیٹھ جائے اور دعا کو چھوڑ دے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دعا من کا ہتھیار ہے۔ ظاہر ہے کہ ہتھیار اس وقت کام کرے گا جب ہتھیار چلانے والا طاقتور ہو اور نشانہ بھی خوب ہو۔ اسی طرح دعا کا محل اور وقت بھی قبولیت کا ہو۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیق صاحب رحمہ اللہ نے ”احکام الرجاء فی احکام الدعا“ میں وہ آداب بیان فرمائے ہیں۔ جو معتبر احادیث سے مانخواز ہیں۔ کوئی اگر بعض آدب کو جمع نہ کر سکے تو پھر بھی دعا ضرور مانگے۔ دعا کو کسی بھی حالت میں نہ چھوڑے۔ مثلاً کھانے پینے، پینے اور کمانے میں حرام سے پھنا (مسلم) ☆ اخلاق کے ساتھ دعا کرنے والیں یہ لفظ رکھنا کہ اللہ کے علاوہ کوئی ہمارا مقصد پورا نہیں کر سکتا (حاکم) ☆ دعا سے پہلے کوئی نیک کام کرنا (مسلم) ☆ وضو کرنا یعنی پاک و صاف ہو کر دعا کرنا (ابن حبان) ☆ دعا کے وقت قبلہ رخ ہونا (صحاح ستہ) دوز انو ہو کر بیٹھنا (ابو عوان) ☆ دعا کے اول آخر میں حق تعالیٰ کی حمد و شکرنا (صحاح ستہ) ☆ دعا کے اول آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و بھیجا (ابوداؤد) ☆ دعا کیلئے دونوں ہاتھ پھیلانا (ترمذی) ☆ ادب و تواضع کے ساتھ بیٹھنا (مسلم) ☆ اپنی ہتھیاری اور عاجزی کا ذکر کر کرنا (مسلم) ☆ دعا کے وقت آسمان کی طرف نظر نہیں مانانا (مسلم) ☆ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنہ اور صفات عالیہ ذکر کر کے دعا کرنا (ابن حبان) ☆ دعا کے وقت انیاء علیہم السلام اور دوسرے مقبول اور صاف بندوں کو وسیلہ بنا (یعنی یہ کہنا کہ اے اللہ! ان بزرگوں کے طفیل سے میری دعا قبول فرمایا) (بخاری) ☆ دعائیں آواز پست کرنا (صحاح ستہ) ☆ ان دعاؤں کے ساتھ دعا کرنا جو رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مقول ہیں۔ کیونکہ آپ نے دین و دنیا کی کوئی حاجت نہیں چھوڑی جس کی دعا تعلیم فرمائی ہو۔ (ابوداؤد) ایسی دعا کرنا جو اکثر دینی و دنیوی حاجت کو شامل ہو (ابوداؤد) ☆ دعا میں پہلے اپنے لئے دعا کرنا پھر اپنے والدین اور دوسرے مسلمان یا مسیحیوں کو شریک کرنا (مسلم) ☆ عزم کے ساتھ دعا کرے (یعنی یوں نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو میرا کام کر دے۔) (صحاح ستہ) ☆ رغبت اور شوق سے دعا کرے ☆ دعائیں تکرار کرنا، دعائیں الحاح یعنی اصرار کرے ☆ کسی گناہ کا قطع تغایقی کی دعا نہ کرے۔ کسی ناممکن چیز کی دعا نہ کرے (بخاری) ☆ دعا کرنے والا بھی آخر میں آمیں کہے اور سننے والا بھی دعا کے بعد دونوں ہاتھ اپنے چھوڑ پر پھیر دے۔ دعا کی قبولیت میں جلد بازی نہ کرے۔ آپ کے ارشاد فرمودہ ان آداب کا خالی رکھ کر دعا مانگی جائے تو وہ ضرور قبول ہو گی۔ قبولیت کی شکلیں مختلف ہو سکتی ہیں لیکن دعا را یگانہ نہیں جائے گی۔

## ظلم اور ظالم

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ الظُّلْمُ ظُلْمٌ ظُلْمَاتٍ يَوْمَ الْقِيَمَةِ .

فرمایا: رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظلم قیامت کے دن اندر ہیرے میں ہو گا۔ (متقن علی)

جس طرح نیک عملوں کے سبب قیامت کے دن مونوں کو نور تھیب ہو گا۔ اسی طرح ظلم کے سبب سے ظلمت ہو گی جتنے کسی نے زیادہ ظلم کئے ہوں گے اتنی ہی زیادہ ظلمتیں ہوں گی۔

ظلم و زیادتی عقلاءً طبعاً اور شرعاً ہر اعتبار سے مذموم اور فتحی ہے۔ ہر ملت و مذہب میں اس کی برائی بیان کی گئی ہے۔ ہر آسمانی کتاب نے اسے خطرناک اور مہلک انسانیت قرار دیا اور ہر نبی اس کے برعے متانج سے لوگوں کو آگاہ اور خبردار کرتا آیا ہے۔ مسلمان ہو یا کافر مون ہو یا فاسق، مرد و عورت، چھوٹا بڑا سب ظلم و زیادتی کو برآخیال کرتے اور کہتے ہیں۔ سب سے بڑا ظلم، لغز، شرک، نفاق اور فتن و فحور ہے۔ اس میں حقوق اللہ کا کاشیع ہے۔ ارشاد باری ہے: "إِنَّ الشَّرِكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ" "اسی طرح لوگوں کی جان و مال، عزت و آبرو کو کسی طرح نقصان پہنچانا بھی ظلم ہے۔ یہ حقوق العباد میں زیادتی ہے۔ سورہ شوری میں ہے: "إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ" (اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہرگز پسند نہیں کرتا) ایک ظلم یہ بھی ہے کہ انسان اپنی جان اور نفس کے حقوق ادا کرنے میں کوتا ہی کرے، اللہ کی نافرمانی کرے، اپنے اعضاء کو ناجائز اور گناہ کی جگہ میں استعمال کرے، آنکھ، کان، زبان وغیرہ کی گناہوں سے حفاظت نہ کرے یہ بھی ظلم ہے۔ سورہ فاطر میں ہے: "فَمِنْهُمْ ظَالِمُونَ" لفیضہ کچھ لوگ اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں۔ سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو قرآن و سنت، احکام الہی اور قوانین شریعت مطہرہ سے بغاوت اور گردانی پر تلا ہوا ہے۔ نہ وہ خود کلام اللہ کو حاکم و عدل تسلیم کرتا ہے اور باوجود قدرت و طاقت کے نہیں اسے نافذ کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ خود عمل نہیں کرتا بلکہ دوسروں کو اس پر عمل کرنے سے روکتا ہے، ایسا شخص خلق خدا میں سب سے بڑا ظالم کا باقی نافرمان اور ظالم ہے۔ جو کتاب اللہ جیسی خدائی رحمت عامہ سے خلق خدا کو محروم کر رہا ہے۔ خدا اور خلق خدا کے درمیان حالک اور رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ خلق خدا کو جنت والے سیدھے راستے پر چلتا ہوا برداشت نہیں کر سکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو مصلحت و گمراہی کے اندر ہیروں، دنیا و آخرت کی ذائقوں اور رسولوں کی طرف دھکیل رہا ہے۔ تمام وہ لوگ جو اس کی وجہ سے کتاب اللہ کی دنیاوی و اخروی خیر و برکات سے محروم ہوں گے ان سب کا و بال اس ظالم کی گردن پر ہے۔ ارشاد باری ہے: "جو لوگ خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکمنہ دیں تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔" دوسری آیت میں فرمایا: "جو لوگ خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکمنہ نہ کریں تو ایسے لوگ اللہ کے نافرمان ہیں۔" (سورہ مائدہ: ۲۷، ۲۵)

سماں آپ نے قرآن کا فیصلہ کر جو شخص نہ خود کتاب پر عمل کرے اور باوجود طاقت و قدرت کے نہ دوسروں پر اس کو نافذ اعمال کروائے وہ کون ہے؟

## روحانی علاج کی حقیقت

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلهٖ وَسَلَّمَ إِنَّمَا إِيمَانُكُمْ لَمَّا يُرَأَى مِنْهُمْ فَلْأَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَلْأَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ (رواه مسلم)

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں آج رات مجھ پر جو آیتیں نازل ہوئی ہیں (وہ ایسی ہی مثال ہیں) کہ ان کی مثل نہ بھی دیکھی گئی نہ سی گی۔ فَلَأَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَلْأَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔

یہ دونوں سورتیں اس لئے بے مثال ہیں ان میں اول سے آخر تک اللہ تعالیٰ کی پناہ لی گئی ہے۔ ظاہر کے شرور سے بھی اور باطن کے شرور سے بھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان میں شرور سے حفاظت کی بے پناہ تاثیر رکھی ہے۔ گویا ہر قسم کے شرور سے اختصار کے باوجود نہایت جامع اور کافی وافی ہیں۔

آج کل تعویذ گندے، عملیات، وظیفے اور جھاڑ پھوک لوگوں نے ان کا نام رکھ لیا ہے ”روحانی علاج“ حالانکہ یہ بڑے مغایطے اور دھوکے میں ڈالنے والا نام ہے۔ اس لئے کہ روحانی علاج تو دراصل انسان کے اخلاق کی اصلاح کا نام تھا۔ اس کے ظاہری اعمال کی اصلاح اور اس کے باطنی اعمال کی اصلاح کا نام تھا۔ یہ اصل میں روحانی علاج تھا۔ مثلاً ایک شخص کے اندر تکبر ہے، اب تکبر کیسے زائل ہو؟ یا مثلاً حسد پیدا ہو گیا ہے وہ حسد کیسے زائل ہو؟ یا مثلاً شخص پیدا ہو گیا ہے وہ کیسے زائل ہو؟ حقیقت میں اس کا نام ”روحانی علاج“ ہے لیکن زمانہ موجودہ میں تعویذ، گندے کے علاج کا نام روحانی علاج رکھ دیا ہے، جو بڑے مغایطے والا عمل ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ مجھے ایک مسجد میں جانا ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہاں ایک عامل صاحب آئے ہوئے ہیں، نماز اور سنتیں پڑھ کر باہر نکلا تو دیکھا کہ باہر لوگوں کی دور ویہ لمبی قطار لگی ہوئی ہے اور عامل صاحب مسجد سے باہر نکلے تو لوگ قطار میں کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے منہ کھول دیئے اور پھر پیر صاحب نے ایک ایک شخص کے منہ کے اندر تھوکنا شروع کر دیا۔ ایک مرتبہ داہی طرف پھر باہمیں طرف کے لوگوں کے منہ میں تھوکتے، اس طرح ہر شخص کے منہ میں اپنا بلغم اور تھوک ڈالتے جا رہے تھے اور پھر آخر میں کچھ لوگ باللیاں اور جگ لئے کھڑے تھے ہر ایک اس انتظار میں تھا کہ پیر صاحب اس کے اندر تھوک دیں تاکہ اس کی برکتیں اس کو حاصل ہو جائیں۔

خدا کے لئے اس معاملے میں اپنے مزانج کے اندر اعتدال پیدا کریں، راستہ وہی ہے جو جناب رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اختیار فرمایا۔ اور یہ بات خوب اچھی طرح یاد رکھیں کہ اصل چیز براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور مانگنا ہے کہ یا اللہ! امیر ایکام کر دیجئے۔ اس سے بہتر کوئی تعویذ نہیں۔ جیسا کہ مذکورہ حدیث مبارکہ میں مودتین کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ان میں ہر قسم کے شرور سے حفاظت کی بے پناہ تاثیر رکھی ہے۔ کوئی عمل تو کرنے والا بنے۔ نماز فجر و مغرب کے بعد اور سوتے وقت تین دفعہ پڑھ لے۔

## غصہ کیا ہے؟

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرُعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْفَضْبٍ . (متنا عن علیہ)

فرمایا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلوان پچھاڑنے سے نہیں ہوتا، پہلوان وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔

انسان کی بہادری جسمانی طاقت پر نہیں ہے۔ یہ چیز تو حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے۔ انسان وہ بہادر ہے جسے اپنے جذبات پر قابو ہو۔ اس کی حیوانی طاقت کتنی ہی مشتعل ہو یکین عقل کے خلاف نہ کرنے پائے۔ ☆ حضرت ذوالقرنین رحمہ اللہ کے بارے میں مقول ہے کہ ایک دفعہ ان کی ایک فرشتے سے ملاقات ہوئی، انہوں نے فرشتے سے درخواست کی کہ آپ مجھے ایسے علم کی تعلیم دیں جس کے ذریعے میرا دل منور ہو اور میرا ایمان و عقیدہ مضبوط ہو جائے۔ فرشتے نے ان کو نصیحت کی کہ غصہ ترک کر دو اور حمل و برداری اختیار کرو۔ کیونکہ غصہ کے وقت شیطان ابن آدم پر اپنا غلبہ و تسلط مضبوط کر لیتا ہے پھر وہ جس طرح چاہتا ہے غصہ کرنے والے کو استعمال کرتا ہے۔ غصے کو پی جایا کرو۔ اور صبر سے کام لیا کرو اور ہر کام میں جلد بازی اور جگات سے بچو۔ کیونکہ عجلت پسندی میں عموماً کام بگڑ جایا کرتا ہے اور درست نہیں ہو پاتا۔ ☆ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کتب حکمت میں حضرت داؤ و علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد موجود ہے کہ اے داؤ! بلا ضرورت غصہ کرنے سے بچو کیونکہ غصہ دانا آدمی کے دل کو خراب کر دیتا ہے۔ (مساوی الاخلاق) ☆ عمر ثانی حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے اپنے ایک گورنر کو لکھا کہ یاد رکھو غصہ کے وقت کسی ملازم پر ہرگز سزا مت جاری کرو۔ تادیب و سزا جاری کر تے وقت جب غصہ آنے لگے تو سزا جاری کرنا ترک کر دو اور ملزم کو اپنے سے دور کر دو اور اسے قید خانہ میں بیٹھ دو۔ پھر جب غصہ فرو ہو جائے پھر دوبارہ اسے بلا دو اور اس کے جنم کے مطابق سزا دو۔ اور درمیانی مار کے پندرہ ڈنڈوں سے زیادہ نہ مارو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَهَلِينَ**۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عفو اختیار کرو اور نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کرو۔ اس آیت کے بارے میں حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ آیت عمدہ اخلاق کی جامع ہے۔ کیونکہ انسانی قوی کے اعتبار سے اخلاق کی تین اقسام ہیں۔ وقت عقلیہ، وقت شہوانیہ اور وقت غصبیہ۔ اگر وقت عقلیہ صحیح رہہنمای کرے تو اس سے حکمت و دانا پیدا ہوتی ہے۔ پھر حکمت و دانا انسان کو اچھائی و نیکی کا حکم دیتی ہے۔ وقت شہوانیہ اپنے محل پر صحیح استعمال کرنے کا دوسرا نام عفت و پاکدا منی ہے۔ یہ ایک ایسا ملک ہے جو ایک باحیا اور پاکباز انسان سے عفو و درگذر کا تقاضا کرتا ہے۔ اور وقت غصبیہ کو شرعی حدود اور دشمنان اسلام کے خلاف استعمال کرنے کا نام ہی شجاعت و بہادری ہے اور برداری والا ملک جاہلوں اور نادانوں سے کنارہ کشی اور اعراض کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ (فتح الباری)

## توبہ اور استغفار

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَعْتَرَفَ ثُمَّ قَاتَبَ اللَّهَ عَلَيْهِ . فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بندہ جب گناہ کا اعتراف ثم قاتب اللہ علیہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ (متقن علیہ)

توبہ کی قبولیت کی تین شرطیں ہیں۔ گزشتہ گناہ پر نادم (یعنی شرمندہ اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے اور اب گناہ کرنے سے باز آجائے۔

یہ بات اپنی جگہ بجا ہے کہ انسان غلطیوں اور خطاؤں کا پتلا ہے۔ غلطی کرنا اس کی سرشت میں شامل ہے۔ مگر غلطی اور خطاء پر اصرار کرنا یا اس کی شایان شان نہیں ہے۔ غلطی یا گناہ پر اصرار کرنا مومن کو زیبائی نہیں۔ اس کے علاوہ ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ گناہ کیا ہے؟ تو اس کا واضح جواب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی گناہ ہے۔ جن باتوں سے منع کیا گیا ہے ان کا کرنا گناہ ہے۔ جن باتوں پاکاموں کا حکم دیا گیا ہے ان کا نہ کرنا گناہ ہے اور گناہوں کی دو قسمیں ہیں۔ صیرہ اور کبیرہ، سورہ ناء آیت ۳۳ میں ارشاد باری ہے: ”اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ معاف کر دیں گے۔“ گناہ کبیرہ وہ گناہ ہیں جو توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے اور گناہ صیرہ وہ گناہ ہیں جو توبہ کے بغیر معاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ مستند احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص نماز کے لئے وضو کرے تو ہر عضو کو دھونے کے ساتھ ساتھ اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ چہرہ دھویا تو آنکھ، کان، ناک کے گناہ دھل گئے، کلی کی تو زبان کے گناہ معاف ہو گئے۔ اور گناہ کبیرہ کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے۔ بڑے گناہوں میں سے مثلاً اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کوشش کیکھرہ انا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹ بولنا وغیرہ اسی طرح وہ عمل جو اللہ تعالیٰ نے بندہ کے ذمہ فرض شہرائے ہیں اگر بندہ ان کو چھوڑ دے تو یہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔ مثلاً نماز، حج، زکوٰۃ کو ادا نہ کرنا، اسی طرح حقوق العباد بندوں کے حقوق جو واجب ہیں ان کے حق کو ادا نہ کرنا وغیرہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث مبارکہ میں توبہ کی ترغیب دی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت، مغفرت اور دلکشی کو بیان کیا گیا ہے کہ اس کریم کے در کے علاوہ کوئی چوکھٹ نہیں، جہاں انسان اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے توبہ و استغفار کا طلب گارہو سکے۔

اے انسان تو جس حالت میں بھی ہے موت سے پہلے پلٹ آ۔ اپنے رب سے صلح کر لے اور اپنے خاتمة دل میں خدا کی یاد اور اس کی فرمانبرداری کی آبیاری کرتا، کہ تیری یہ دنیا بھی پر سکون ہو اور آخرت میں بھی نجات ہو سکے۔

## حقیقتِ مغلل میلاد

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ سَلَامٌ وَسُنْنَةُ الْخُلُفَاءِ الرَّاشِدِينَ . (مشکوٰۃ)  
فرمایا ہی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے: تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور میرے خلفاء کی سنت کی پابندی کرو۔  
حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس طرح صحابہ کرام نے یہ عبادات نہیں کی تھی بھی اس کو  
عبادات نہ سمجھو بلکہ اپنے اسلاف صحابہ کرام کا طریقہ اختیار کرو۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے  
فرمایا، یعنی تم لوگ ہمارے (صحابہ کے) نقش قدم پر چلو اور نئی عبادات نہ کھڑو تم سے پہلے عبادات کا تھیں  
ہو چکا ہے۔

معلوم ہوا کہ دین و عبادات اور ثواب والا کام وہی ہے جو صحابہ کرام سے ثابت ہو۔ مغلل میلاد کے  
نام پر جو کچھ اب ہو رہا ہے کیا یہ نفعاً خداوندی ہے؟ سرو رکائیات کی سنت کے مطابق ہے؟ صحابہ و اہل بیت  
نے اس کی داعی بیل ڈالی تھی؟ تابعین، تبع تابعین، محدثین آئندہ دین نے اس طرح یہ دن منایا؟ اولیاء  
کرام، حضرت شیخ عبدال قادر جیلانی رحمہ اللہ حضرت خواجہ ابجیری، حضرت علی ہجویری، حضرت مجدد الف ثانی،  
وغیرہ کبار اولیاء ائمہ رحمہم اللہ نے یہ دن اس طرح منایا؟ ایسا کام کرنے کا کوئی ارشاد فرمایا کیا ان سے بڑھ کر  
کوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عاشق ہے؟ نہیں نہیں ہرگز نہیں! اس محبت و عقیدت کے باوجود ہم دیکھتے  
ہیں کہ تقریباً چھ سو سال تک پوری دنیا میں کہیں اس بدعت کا روانہ نہ تھا۔ یہ بدعت عراق کے شہر موصل کے  
ایک بے دین و فضول خرچ حکمران مظفر الدین کوکری بن ارمل اور اس کے ساتھی دنیا پرست لذاب مولوی عمر  
بن وحید الخطاہ نے ۲۰۷ھ میں ایجاد کی۔ ستار غن بن خلکان میں لکھا ہے کہ اس حکمران نے مغلل میلاد کے  
لنے بہت سے قبیلے بنا کر کے تھے جس میں گانے والے، نانچے کو دنے والے بیٹھتے تھے۔ بادشاہ مظفر الدین  
ہر روز عصر کے بعد ان قبوں میں جا کر ناج راگ وغیرہ سن کر خوش ہوتا اور خود ناچتا۔ پھر اپنے قبیل میں تمام رات  
ہو ہو لعب میں مشغول رہتا۔ اخ (بحوالہ فتاویٰ رشید یہ ص ۱۳۲)

سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عقیدت و محبت عین ایمان ہے۔ آپ کی ولادت  
باسعادات سے وفات تک حیات طیبہ کے ہر پہلو کا ذکر کرنا بابعث نزول رحمت خداوندی ہے۔ آپ کا ذکر کر خیر  
زمان و مکان پر موقوف نہیں بلکہ ہر آن و ہر زمان سیرت طیبہ سنتا اور سنا سعادت عظمی ہے۔ لیکن کیا بارہ ریج  
الاول کوہنی مغلل میلاد منعقد کرنا، جلوں نکالنا، بچنگڑا اذانا، رقص کرنا خیر اقوروں سے ثابت ہے؟ اگر ہو تو چشم  
مارو شدن دل ماشاد۔ پھر کسی کو اعتراض کی جمال نہیں۔ اگر نہیں اور حقیقت یہی ہے کہ تیس سالہ دور نبوت، تیس  
سالہ دور غلافت راشدہ، ایک سو دس سالہ دور صحابہ، دوسویں سالہ دور تابعین وغیرہ میں کہیں بھی اس مغلل  
میلاد وغیرہ کا وجود نہیں پایا گیا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو عشق و محبت، صحابہ و تابعین گو  
نصیب ہو اسراہی دنیا اس کی نظر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس بے پناہ عقیدت و احترام کے باوجود کسی کوئی  
مغلل میلاد وغیرہ کسی نے اس کو کا رثواب سمجھا جو کام اس وقت دین نہ تھا، آج کیسے دین بن گیا؟

## انسانی روح کی غذا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ النَّاسِ عَلَى اللَّهِ وَمَا حَقُّ اللَّهِ عَلَى النَّاسِ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ، أَعْلَمُ قَالَ حَقُّ اللَّهِ عَلَى النَّاسِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ فَحَقُّ عَلَيْهِ أَنْ لَا يُعَذَّبَهُمْ . (رواہ احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! جانتے ہو لوگوں کا خدا پر اور خدا کا لوگوں پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا خدا کا حق لوگوں پر یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور جب وہ ایسا کریں تو اس (خدا) پر یہ حق ہے کہ پھر ان کو عذاب نہ دے۔

انسانی روح کی پیدائش جسم سے پہلے ہوئی۔ انسانی روح کی غذا عبادت ہے۔ اور عبادتِ الہیہ سے انسانی روح کو قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے اور وہ قوی اور مضبوط ہو جاتی ہے۔ روح کو جسم میں پھونکا گیا ہے۔ پس درحقیقت روح مقیم ہے اور جسم مکان کی مانند ہے۔ ہم نے اپنے مکان جسم کو چھوڑ کر جانا ہے۔ لہذا اس جسم کی آرائش میں لگنا اور روح کے قاضوں کو ترجیح نہ دینا سارے بے قوفی اور ناصافی ہے۔

انسانوں میں دو گروہ ہیں۔ ایک وہ گروہ ہے جو دنیا کو اہمیت نہیں دیتا اور عبادت و محنت کے ذریعہ روحانی کمالات حاصل کر لیتا ہے۔ اس گروہ میں انبیاء، صحابہ کرام، اولیائے کرام اور یک لوگ شامل ہیں۔ دوسرا گروہ ہے جو نسوانی خواہشات کو اپنا خدا بنا لیتے ہیں اور اپنے آپ کو سب سے بہتر جانتے ہیں۔ ابو جہل با وجود جانتے ہوئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق پر ہیں، اپنی ہست وھری پر قائم رہا اور دنیاوی زندگی کو اہمیت دینے کی وجہ سے بدجنت دنیا سے گیا۔

بس انسان نے مرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو پیچاں لیا اور اس کی عبادت کی اس نے کمال حاصل کر لیا اور جس انسان نے مرنے کے بعد پیچا تواب افسوس کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس حدیث کا حاصل ہی ہے کہ ایک خدا کی عبادت کریں اور اسی کو معبد و برقن مانیں تو پھر اللہ رب العزت کے عذاب سے فَرَجَ میں گے۔ ورنہ جب موت پنجے گاڑتی ہے تو یہ نہیں دیکھتی کہ کوئی اسکندر تھا یا چنگیز، کوئی دارا تھا یا ہلاکو، وہ تیمور تھا یا محمد، وہ ذو القرین تھا یا دانیال، سب اس کے ہاتھوں نیکست کھا گئے اور خاک میں خاک ہو گئے۔ اللہ ہمیں خالص اپنی عبادت کی توفیق دیں، اپنے عذاب سے مامون و محفوظ رکھیں۔ (امین ثم امین)

## موت کا نصویر

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَكْتُرُوا ذِكْرَهَا فِيمَنْ الْدَّارَاتِ يَعْنِي الْمَوْتَ . رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ توت سے یاد کیا کرو لذتوں کی قطع کرنے والی چیز کو یعنی موت کو۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

کبھی بھی سوچنے کے ہم کیا اور ہماری ہستی کیا۔ ایک سانس پر بھی ہمارا بغضنہیں جو سانس جاتا ہے وہ لوٹ کر آتا بھی ہے یا نہیں، کچھ معلوم نہیں۔ مگر آدمی کیسی کیسی حرکتیں کرتا ہے، جھوٹ، دعا، فریب، بکر، چوری، امانت میں خیانت، رشوت خوری، تاپ توں میں کمی، اللہ کی نافرمانی کرنے والے یہ بندے آخرت میں کہاں جائیں گے۔ ہشام بن ملک جو ایک بادشاہ تھا اس کا مر نے کا وقت قریب آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کے ستر مرگ کے پاس بال بچے جمع ہیں اور رورے ہیں۔ بولا عزیزو! میں نے تمہارے لئے دنیا جمع کر دی تو کیوں روتے ہو؟ دولت تو تمہارے پاس رہے گی۔ میں تو وہ گناہ لے کر جا رہا ہوں جو دولت جمع کرنے کے لئے میں نے کئے۔ تم تو بسورونا تو مجھے چاہئے۔ اللہ خیر کرے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز بھی ایک حکمران تھے۔ ایسے بڑے حکمران کہ کہتے ہیں ان سے بڑا کوئی اور بادشاہ نہیں ہوا۔ ایسے نیک اور ایسے پرہیزگار حکمران تھے کہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ انہیں پانچواں خلیفہ سمجھتے تھے۔ موت کا وقت قریب آیا تو تڑپتے رہتے تھے ہر وقت تو بہ و استغفار کرتے۔ ایک بار بولے اے اللہ! میں نے گناہ کئے ہیں اگر تو معاف کر دے تو یہ تیرا مجھ پر بہت بڑا احسان ہوگا۔ اگر تو میرے گناہوں کی سزا دے گا تو یہ تیرالاصاف ہوگا، ظلم نہیں۔ مگر میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سواؤ کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرے رسول ہیں۔ اس کے بعد پھر زبان ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی۔

مامون الرشید عباسی خاندان کے بہت بڑے بادشاہوں میں سے ایک تھا۔ مرض الموت میں بتلا بادشاہ کو مٹی پر لٹانا شاہی ملازموں کو اچھا معلوم نہ ہوتا تھا۔ مگر حکم پھر حکم تھا انہیں تعیل کرنا پڑی۔ جب اسے مٹی پر لٹادیا گیا تو وہ لوٹنے لگا۔ زبان سے بار بار ایک ہی فقرہ نکلتا تھا۔ اے ہمیشہ رہنے والے بادشاہ اس مر نے والے کمزور فانی انسان پر رحم فرم۔ اگرچہ کوہ بھی بادشاہ ہے مگر تو حکم الحاکمین ہے۔ ماں الملک ہے، تو قیامتی الملک ہے، تقرر الملک ہے، ساری عظمت اور تمام جلال تھجھی کو سزا اوار ہے، مجھ پر رحم فرم۔

بندہ موت کو یاد کرتا رہے تو اللہ کا خوف دل میں رہتا ہے۔ موت کو بھول جائے تو دنیا کی محبت بے ایمان پر لے آتی ہے۔ اسی لئے حکم ہے غلطی معلوم ہو جائے تو توبہ کر لواور پھر یہ غلطی نہ کرو۔ اگر دوسروں کو لوٹ کر دنیا سے جاؤ گے تو بڑی سخت سزا پاوے گے۔ اللہم بارک لی فی المَوْتِ وَفُی مَا بَعْدَ الْمَوْتِ ۔

## اہل ایمان کی صفات

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ غَرْبٌ كَرِيمٌ وَالْمُنَافِقُ خَبْرٌ لَئِيمٌ۔ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایمان دار آدمی بھولا، سیدھا اور شریف الطح ہوتا ہے اور منافق دھوکے بازاوڑ لیل الطح ہوتا ہے۔ (احمد، ابو داؤد، ترمذی)

یعنی مومن طبعاً اس کو ناپسند کرتا ہے کہ لوگوں کی عیوب جوئی میں لگا رہے۔ یہ نہیں کہ وہ یوقوف اور جاہل ہوتا ہے اس کا بھولا پن اور سادگی اس کی طبیعت کی شرافت کا تقاضہ ہوتی ہے۔ وہ اس کو ناپسند کرتا ہے کہ لوگوں کے عیوب نکال نکال کر ان کے منہ پر مارتا ہے۔

سورہ احزاب میں اہل ایمان کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے: ”بے شک جو مردو عورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع و فرمانبردار ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے بھکنے والے ہیں، صدقہ دینے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، اپنی شرمنگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے مغفرت اور بڑا جرم ہمیا کر رکھا ہے۔“ (سورہ احزاب - ۳۳)

اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان مردو عورتوں کی خوبیاں اور صفات بیان کی گئی ہیں۔ جنہوں نے اپنے لئے ضابطہ حیات کی حیثیت سے اسلام کو قبول کر لیا اور وہ اس کی اطاعت اور اتباع کی راہ اختیار کر چکے ہیں۔ ان کی اطاعت محض ظاہر نہیں بلکہ دل سے اسلام کی رہنمائی کو حق مانتے ہیں۔ ان کا ایمان ہے کہ فکر و عمل کا جو راستہ قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دکھایا ہے وہی سیدھا اور صحیح راستہ ہے۔ اس کی پیروی اور عاقیلت میں خیر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کی اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: ایمان کی لذت سے آشنا ہو گیا وہ شخص جو راضی ہوا اس بات پر کہ اللہ ہی اس کا رب ہے اور اسلام ہی اس کا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ (صحیح مسلم)

مومن اللہ کی راہ میں اپنانا مال صرف کرتے ہیں، اللہ کے دین کی سربلدی میں جب ضرورت پڑتی ہے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ ان کی زبان ہر لمحہ اللہ کے ذکر سے ترہتی ہے۔ زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ کا نام سب سے پہلے ان کی زبان پر آتا ہے۔ اہل ایمان کی یہ ساری صفات عملاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کرام کی زندگیوں میں موجود تھیں۔ اور انہی خوبیوں، اخلاق اور اوصاف کی بناء پر عرب معاشرے میں زبردست تبدیلی آئی۔ آج بھی اگر امت مسلمہ انہی اوصاف کو اپنالے تو عملاً اس کا راج پوری دنیا پر ہو سکتا ہے۔

## عداوت شیطان

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيْسَ مِنْ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَلِكُنْ فِي التَّخْرِينِ يَبْتَهُمْ . (رواہ مسلم)

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: شیطان اس بات سے تو بالکل ما یوں ہو چکا ہے کہ نمازی لوگ کبھی آئندہ جزیرہ العرب میں اس کی عبادت کریں گے۔ اس لئے اب وہ صرف ایک دوسرے کو ابھارنے پر ہی راضی ہو گیا۔

اس حدیث مبارکہ کا حاصل یہ ہے کہ آخرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان رفیع تو بہت بلند و بالا ہے۔ آپ کی عصمت کا اثر آپ کے خاص مقام بعثت پر بھی اتنا گہرا پڑھا تھا کہ شیطان بھی وہاں کے خاص بندوں پر اپنی کامیابی سے ہمیشہ کے لئے مایوس ہو چکا تھا۔ الحمد للہ العزیز کہ آپ کی پیشون گوئی حرف بحروف آج تک آفتاب درخشاں کی طرح روشن ہے۔ عرب کے ناخواندہ لوگ جو پیشہ پشت سے بت پرستی کے عادی تھی۔ اسلام کے بعد آج تک بت پرستی سے اتنے تغیر ہیں کہ دوسرے مقامات کے خواندہ بھی اتنے تغیر نہ ہو گے۔ ان کے تعلیم یافتہ پھر نماز یوں کا تو ذکر ہتی کیا ہے۔ ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح پھرتا رہتا ہے۔“ (متفق علیہ) جس طرح خون رگوں میں چل رہا ہے اور پتہ نہیں لگتا، اسی طرح شیطان انسان کے دل میں جا کر گراہ کن خیال ڈال دیتا ہے کہ میری عقل یہ بات سمجھا رہی ہے حالانکہ دراصل وہ شیطان کی راہ نمائی ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد بمارک ہے کہ میں دعوت و تبلیغ لے کر آیا ہوں، کسی کی ہدایت میرے اختیار میں نہیں۔ اور اپنیں بھی برائی کو مزین کر کے اور فریب (دھوکہ) دینے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ کسی کو گراہی میں ڈال دینا اس کے بس میں نہیں یعنی وسوسہ ڈال کر گناہ کو مزین کر کے دکھاتا ہے۔ اس سے زیادہ اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں۔ ہمدا بندہ کو لازم ہے کہ وساوس کو اپنی طرف سے دور کرنے کی پوری کوشش کرے اور اپنے دشمن کی پیچان کرے۔ دوست کا کہا مانے اور دشمن کے پیچھے نہ لگے۔

فتیہ ابوالیث شر قدمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خوب جان لے! تیرے چار دشمن ہیں۔ تجھے ان سب کے ساتھ چہاد کرنے کی ضرورت ہے۔ (۱) پہلا دشمن دیتا ہے جو بہت ہی دھوکہ باز اور بیکار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو تم کو دنیا وی زندگی دھوکہ میں نہ ڈالے اور نہ تم کو دھوکہ باز شیطان اللہ سے دھوکہ میں ڈالے۔“ (لقمان - ۳۳) (۲) دوسرا دشمن آپ کا اپنا نفس ہے جو کہ بدترین دشمن ہے۔ (۳) تیسرا دشمن شیطان (جن) ہے۔ (۴) چوتھا دشمن انسانی شیطان ہے اس سے بچو! کہ یہ شیطان جن سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ کیونکہ شیطان جن تو وسوسہ ڈال کر تکلیف دیتا ہے اور انسانی شیطان وہ برا ساختی ہے جس کی تکلیف ظاہر ہری اور اعلانیہ ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ آپ کے لئے ایسے حیلوں کی تلاش میں رہتا ہے کہ جس کے ذریعے وہ آپ کو آپ کے مقاصد سے دور کرے۔ (تعبیر الغافلین)

## بدعت کیا ہے؟

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحَدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ دَرَدٌ۔  
فرما یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز داخل کرے گا جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔ یعنی جس شخص نے اسلام میں کوئی ایسی بات نکالی جس کی کتاب و سنت سے کوئی سند ظاہر یا غافی ملعوظ یا مستبط نہیں سکتے تو وہ مردود ہے۔ (متقن علیہ)

بدعات و محدثات کے باب میں رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مندرجہ بالا ارشاد بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں ان محدثات و نوایجاد باتوں کو خواہ وہ اعمال کے قبیلہ سے ہوں یا عقائد کے قبیل سے قبل برداور مردود قرار دیا گیا ہے جو دین میں ایجاد کی جائیں اور ان کو امر دینی یعنی رضاۓ الہی اور ثواب اخروی کا وسیلہ سمجھ کر اپنایا جائے اور فی الواقع ان کی یہ حیثیت نہ ہو۔ نہ اللہ و رسول کی طرف سے صراحتاً اشارہ ان کا حکم دیا گیا ہو۔ نہ شرعی اجتہاد و استبان اور قواعد شریعت پر ان کی بنیاد ہو۔ اس دنیا کی وہ ساری ایجادات اور وہ تمام نئی چیزیں جن کو امر دینی اور وسیلہ رضاۓ الہی و ثواب اخروی نہیں سمجھا جاتا۔ ان ایجادات کا اس حدیث مبارکہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور شرعی اصطلاح کے لحاظ سے ان کو بدعت نہیں کہا جائے گا۔ جیسے نئی نئی قسم کے کھانے، نئے طرز کے لباس، جدید طرز کے مکانات اور سفر کے لئے ترقی کے ذرائع کا استعمال کرنا۔ ہاں جن رسم کو امر دینی سمجھا جائے اور ان سے ثواب آخرت کی امید کی جائے وہ اس حدیث مبارکہ کا مصداق، قابل برداور بدعت ہیں۔ موت اور غمی کے سلسلے میں زیادہ رسم اسی قبیل سے ہیں۔ جیسے تجھ، چوتھا، بیسوال، چالیسوال، برسی، ہر جمعرات کو مردوں کی فاتحہ، بڑے پیر صاحب کی گیارہویں، بارہویں، بزرگوں کی قبروں پر چادر پھولوں وغیرہ چڑھانا اور عرسوں کے میلے ٹھیلے۔ ان سب کو امر دینی سمجھا جاتا ہے اور ثواب آخرت کی ان سے امید رکھی جاتی ہے۔

پھر ان عملی بدعاوں سے زیادہ مہلک وہ بدعاوں ہیں، جو عقائد کے قبیل سے ہیں۔ جیسے رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر سمجھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ دور دراز سے پکارنے والوں کی پکار و فریاد سننے ہیں۔ اور ان کی مدد اور حاجت روائی کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ بدعت ہونے کے ساتھ شرک بھی ہے، شرک پر موت کی وجہ سے سارے اعمال صالحہ باطل ہو جاتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں سنت کے مطابق چلے کی توفیق دیں اور بدعاوں سے بچائیں۔ (آمین)

## جهوٹ اور غلط بیانی

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ كَفَىٰ بِالْمُرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ . فَرَمَى يَاهُزُّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ نَهْرًا: آدِيَ كَمْ جَهَوَتْ هَوْنَهُ كَمْ لَتَهُ يَاهُنَّهُ كَمْ هَبَهُ جَوَبَاتْ سَنَهُ وَهِيَ نَقْلٌ كَرَدَهُ۔“ (رواہ مسلم)

اس حدیث شریف میں اس شخص کو ذائقاً گیا ہے جو ہر سی ہوئی بات نقل کر دیتا ہے، خواہ وہ پچی ہی ہو بلکہ انسان کا فرض ہے کہ جو بات آگے پہنچانے کے لائق ہو اس کی اشاعت کرے۔

پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: ”جَعْ بُولَنَهُ كَامْهَاتَمَ كَروْكِونَهُ تَجْ نِيكَارِي كَامْ رَاستَهُ دَخَاتَهُ اَوْرَي دُونُوْلَهُ چِيزَيْ جِنْتَهُ كَشَامَ ہِيَنَهُ۔“ جبکہ کسی کو غلط بات پہنچا کر اس کے فکر و ذہن کو راستہ دکھاتا ہے اور یہ دونوں چیزیں جنت کی شامیں ہیں۔“ جبکہ کسی کو غلط بات پہنچا کر اس کے ساتھ بگاڑنا اور اس کی سوچ کو غلط رخ پرڈا ناپی تمام ترقیاتوں کے ساتھ خود مغایطہ کی حق تلفی اور اس کے ساتھ خیانت و بد دینی ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقة رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ نفرت جھوٹ سے تھی۔ جس آدی کا کوئی جھوٹ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں آ جاتا تو جب تک اس کے توبہ کر لینے کی خبر آپ کوئیں مل جاتی تھی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل و دماغ سے نہیں اترتا تھا۔ سچائی خداوند قدوس کی صفات حسنے میں سے ہے اور وہ سارے پچوں اور راست بازوں سے بڑھ کر سچا اور راست باز ہے۔ اللہ سے بڑھ کر سچا کون ہو سکتا ہے؟ کہی وجہ ہے کہ جسے اللہ سے جتنا زیادہ تعلق اور قرب حاصل ہو وہ سچائی سے اتنا ہی زیادہ قریب و مانوس اور جھوٹ سے اتنا ہی متفرو یہزار ہے گا۔ جسے اللہ تعالیٰ سے جتنی زیادہ دوری ہے وہ جھوٹ کا اتنا ہی دلدادہ اور سچائی کا اتنا ہی بڑا مشن ہو گا۔ جھوٹ کی کوکھ سے نفاق، کفر، شرک، خیانت، غداری، وعدہ خلافی جیسی برائیاں جنم لیتی ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کے جھوٹ کی بدبوکی وجہ سے ایک میل دور بھاگ جاتا ہے۔ (ترمذی) جو لوگ جھوٹ کی عادت میں ملوٹ ہوتے ہیں انہیں عموماً یا تو کسی شریکی شرارت و فتنہ ایزی کا خوف دامن کریں گے، جو تباہ ہے یا کسی کی دوستی و دشمنی یا ذلتی مفاد پیش نظر ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ سچائی کا خون کرتے ہیں۔ اسلام نے انسان کی ان تمام نفیات کو سامنے رکھتے ہوئے دروغ گوئی کے تمام راستوں پر پھرے: شہادتیے۔ کسی کی دوستی و ہمدردی یا ذلتی مفاد کے پیش نظر جھوٹ بولنے پر پابندی عائد کرتے ہوئے اللہ رب العلمین نے ہدایت فرمائی۔ انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے واسطے گواہی دینے والے رہو۔ حق بات کہنے میں کوئا ہی کرنا، سچ پر پردہ ڈانا، اہل حق کا نہیں بلکہ یہود یوں کاشیوہ ہے۔ اللہ رب العلمین نے قرآن کریم میں اس پر سخت نکیر کرتے ہوئے فرمایا: اے اہل کتاب! کیوں ملا تے ہو سچ میں جھوٹ اور چھپاتے ہو سچی بات؟ حالانکہ تم جانتے ہو۔

## فصل کے احکام

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْجَمْعَةَ فَلَا يَغْسِلُ . (متقى عليه) فرمایا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے: جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے لئے آئے تو انہا کرائے۔ غسل جمعہ کے متعلق علماء کے دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ واجب ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حسن بصری رحمہ اللہ سے ایسا ہی مقول ہے۔ اکثر علماء کرام، سلف اور خلف اسے سنت مسجدیہ قرار دیتے ہیں۔ ایک حدیث حسن میں ہے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جمعہ کے دن وضو کیا تو اچھا کیا اور جس نے غسل کیا تو غسل افضل ہے۔

غسل کے معنی ہیں نہانہا۔ مگر نہانہ کا شریعت میں ایک خاص طریقہ ہے۔ اول دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئے، پھر استخاء کرے اور بدن سے حقیقی نجاست دھوڈائے۔ پھر وضو کے پھر تمام بدن کو تھوڑا تھوڑا پانی ڈال کر ہاتھ سے ملے، پھر سارے بدن پر تین مرتبہ پانی بہائے کلی کرے، ناک میں پانی ڈالے۔

غسل کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) فرض (۲) سنت (۳) مستحب (۱) فرض: ان چیزوں سے غسل فرض ہو جاتا ہے۔ احتلام ہونا، جاگتے میں شہوت سے منی لکنا، بیوی سے محبت کرنا (اگرچہ منی نہ نکلے)، حیض ختم ہونا، نفاس بند ہونا وغیرہم۔ جس پر غسل واجب ہو جائے اسے شریعت اسلامیہ میں "جب" کہتے ہیں۔ اور حیض اس خون کو کہتے ہیں جو موتوں کو ہر ماہ آتا ہے اور نفاس وہ خون ہے جو پچھے پیدا ہونے کے بعد آتا ہے۔ غسل کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب غسل کرنے کا رادہ کرے تو اول دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئے، پھر استخاء کرے اور اگر ظاہر ناپاکی کسی جگہ لگی ہے تو اسے دھوڈائے۔ پھر وضو کے جیسے نماز کے لئے وضو کرتے ہیں۔ خوب منہ پھر کرکی کرے روزہ نہ ہو تو غرارہ بھی کرے۔ اور ناک میں خوب خیال کر کے پانی پڑھائے۔ وضو کے بعد تھوڑا اپانی لے کر سارے بدن کو خوب ملے، پھر تین مرتبہ پانی بہائے۔ بال برابر بھی جگہ سوکھی رہ گئی تو غسل نہ ہوگا۔ غسل میں تین فرض ہیں۔ (۱) کلی کرنا (۲) ناک میں پانی ڈالنا (۳) تمام بدن پر پانی بہانا۔ غسل سنت چار ہیں (۱) جمعی کی نماز کے لئے غسل کرنا، (۲) دونوں عیدوں کی نماز کیلئے غسل کرنا، (۳) حج کا احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا، (۴) عرفات میں وقوف کرنے کیلئے غسل کرنا۔ غسل کے مستحب بہت سے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔ ☆ شعبان کی پندرہویں رات ☆ عرفہ کی رات یعنی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کی شام کے بعد آنے والی رات میں ☆ سورج گرہن، چاند گرہن کی نماز کیلئے غسل کرنا ☆ نماز استقاء کیلئے ☆ کمہ معظمه یا مدینہ منورہ میں داخل ہونے کیلئے غسل کرنا۔

طہارت یعنی پا کی کادین اسلام میں بڑا مرتبہ آیا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے: بلاشبہ اللہ دوست رکھتا ہے، بہت توبہ کرنے والوں کا اور دوست رکھتا ہے خوب پاک رہنے والوں کو۔ (پ ۲-۱۳۲)

## الفاظ اذان کا پیغام اور فضیلت

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْمُؤْذِنُ أَطْوَلُ النَّاسِ أَعْنَافًا يَوْمَ الْقِيمَةِ . حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ: اذان دینے والوں کی گردئیں قیامت کے دن سب سے بلند ہوں گی۔ (رواہ مسلم)

حدیث شریف میں ہے کہ نیکی بتانے والے کرنے والے جتنا اجر ملے گا۔ اس لئے سارے نمازیوں کے برابر موزون کو اجر ملے گا۔ موزون روحانی لحاظ سے سارے نمازیوں سے اوپنے قدوا لا ہوگا، بشرطیکہ ریا اور غرود سے مبرا ہو کر اذان دی ہو۔ **اللَّهُ أَكْبَرُ** موزون ان الفاظ میں چار مرتبہ الشرب العزت کی عظمت کا اعلان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اور اس بات کا مستحق ہے کہ تمام مرغوب چیزوں کو چھوڑ کر اس کی جانب متوجہ ہو جائے۔ **أَشْهَدُ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ، إِنَّ الْفَاظَ مِنْ مَوْذَنٍ وَمِنْ رَبِّ الْعَزْتِ** کہ: ”اللہ رب العزت اکیلا معبود ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، گویا وہ یہ تہلاتا ہے کہ دنیا اور آخرت کی تمام حاجات اور ضروریات کو وہ ہی پورا کر سکتا ہے۔ جو معبود حقیقی ہے۔ **أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ ، مَوْذَنٌ وَرَبُّ الْعَزْتِ** ان الفاظ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول ہونے کی خوشخبری سناتا ہے۔ گویا وہ کہتا ہے کہ یہی رسول ہمارے اور ہمارے رب کے درمیان واسطہ ہیں، انہی کے ذریعے سے ہم اپنی دنیا اور آخرت کی مصلحتوں سے واقف ہوئے ہیں۔ آپ ہمارے خیر خواہ ہیں، ہمیں بھلانی کے طریقے سے سکھلانے والے ہیں۔ **حَسَنَ عَلَى الصَّلَاةِ**: موزون دو مرتبہ ان الفاظ سے نماز کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ گویا وہ کہتا ہے کہ جب اللہ رب العزت سب بڑوں میں بڑا ہے، اکیلا معبود ہے، کوئی اس کا شرک نہیں، مخلوق اس کی محتاج ہے تو ہمیں چاہیجے کہ ہم نماز کی طرف متوجہ ہو جائیں اور نماز ادا کر کے اس کے وسیلے سے بارگاہ خداوندی میں اپنی حاجات و ضروریات پیش کریں۔ **حَسَنَ عَلَى الْفَلَاحِ**: موزون دو مرتبہ ان الفاظ میں نماز کے فائد و ثمرات کی طرف اجمانی طور پر اشارہ کرتا ہے، گویا وہ کہتا ہے کہ آدمی کیلئے فلاح (کامیابی خواہ دنیوی ہو یا اخروی اس عبادت نماز سے) حاصل ہوتی ہے پس اس کامیابی کو غنیمت سمجھیں اور اس کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ **اللَّهُ أَكْبَرُ** : (دو مرتبہ) **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** (ایک مرتبہ) : موزون ان الفاظ میں نمازیوں کو متوجہ کرتا ہے کہ ذرا خیال کرنا کہ جب ہم اس کی عبادت کی طرف متوجہ ہیں تو کہیں رب تعالیٰ کے سوا دوسرا چیز کو قصوداً صلی نہ سمجھ لیں۔ ہمیں اس کے قرب کو حاصل کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔ اس لئے دو مرتبہ تکمیل اور اللہ تعالیٰ کا معبود یکتا ہونا یا ان کرتا ہے۔ اذان سننے والے لوگ بھی موزون کے الفاظ دھراتے جاتے ہیں۔ گویا کہ وہ اس کی ہربات پر ہر قدر یقین ثبت کرتے جاتے ہیں۔ کہ ہم بھی اس میں آپ کے ساتھ متفق ہیں۔ لیکن جب موزون **حَسَنَ عَلَى الصَّلَاةِ** اور **حَسَنَ عَلَى الْفَلَاحِ** کہتا ہے (کہ نماز اور فلاح کی طرف آؤ) اب انہیں الفاظ میں جواب دینا یا تو مسخر ہو پن۔ اس لئے اس کے جواب میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ پڑھتے ہیں۔ گویا وہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھ کر اس خیر غظیم کو حاصل کرنا اور فلاح کا پالینا اللہ تعالیٰ کی مدد اور قوت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ہم تو اس کی مدد کے طلب گاریں۔

## مسجد اور ہمارا اجتماعی نظام

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَيْتَ اللَّهَ لَهُ، بَيْتَنَا فِي الْجَنَّةِ . فرمایا: رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جو شخص اللہ کیلئے مسجد بنائے اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں گر بناتا ہے۔ (تفہن علیہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ میں جو سب سے پہلی مسجد تعمیر کی وہ مسجد نبوی تھی جو چودہ سو سال سے قائم ہے۔ اور انشاء اللہ قیامت تک قائم رہے گی۔ تاریخ شاہد ہے کہ جہاں کہیں مسلمانوں نے نئے شہر آباد کئے یا چھاؤنیاں قائم کیں، وہاں سب سے پہلے اللہ کا گھر یعنی مسجد تعمیر کی۔ کیونکہ مسجد کو مسلمان شعاراتی سمجھتے تھے۔ اس لئے وہ انہیں تمام عمارتوں سے زیادہ خوبصورت اور عالیشان بنتے تھے۔ آج تک پرانے زمانے کی ہزار ہام ساجد اس بات کا ثبوت ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ مسجد وہ مقام ہے جہاں اسلامی معاشرت نشوونما پاتی ہے۔ علم دین کی اشاعت کا بہترین مرکز ہمیشہ مسجد ہی رہی ہے۔ عبادات کے علاوہ مسلمان مساجد میں اخوت، مساوات، ایثار و ہمدردی کے قیمتی جوہر حاصل کرتے ہیں۔ آداب مجلس اور آداب معاشرت کے اصولوں کی عملی تربیت بھی مساجد میں سر انجام پاتی ہے۔ اس لئے اسلامی معاشرت کی تعمیر و ترقی کیلئے مساجد کا وجود نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر عالمہ اسلامین کی تربیت مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ نماز کے متعلق ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ فرض نماز مسجد کے بغیر ہوتی ہی نہیں، بعض جگہ ارشاد ہے: جو شخص مسجد کی اذان سے اور مسجد میں نہ آئے وہ منافق ہے۔ نیز مسلمانوں کی تنظیم اور اصلاح کیلئے مساجد نہایت ضروری ہیں۔ معاشرے کی اصلاح اور تعمیر و ترقی میں مسجد نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کی درسگاہ اور تربیت کا مرکز صرف مساجد تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لاکھوں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت مسجد نبوی ہی میں کی تھی۔ جو لوگ اونٹ چڑانا بھی نہ جانتے تھے، وہ تربیت رسول اللہ! سے قوموں کے امام و مقتدا بن گئے۔ مسجد میں آکر تمام نسلی، خاندانی اور مالی امتیازات ختم ہوجاتے ہیں۔ تمام مسلمان ایک ہی صفت میں کھڑے ہو کر مساوات اور اسلام کا عملی ثبوت پیش کرتے ہیں۔ یہاں آکر امیر و غریب، کالے اور گورے کی کوئی تمیز باقی نہیں رہتی۔ مسجد میں اخوت و بھائی چارہ اور ہمدردی کا درس دیتی ہے۔ آپس میں میل جوں سے اخوت، تعاون اور ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں آکر محلہ کے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی غریب ہے اور امداد کا سخت ہے۔ ایک دوسرے کے دکھ درد کا احساس ہوتا ہے اور دل میں دوسروں کے دکھ درد کو ختم کرنے کے احساسات ابھرتے ہیں۔ برائیوں کو مٹانے اور نیکیوں کو پھیلانے میں مسجد نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مسجد کے ذریعہ عوام کے شعور کو بیدار کیا جاسکتا ہے۔ قانون کا احترام اور معاشرتی ذمہ داری کا احساس مسجد کے ذریعے با آسانی دلا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بھائی مساجد کی عظمت کی بھائی سے وابستہ ہے۔

## حسن عمل اور عمل صالح

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَيْهِ أَذْوَاهَا وَإِنْ قَلَّ.  
فرما یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ: سب سے پیار اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا سا ہو۔ (تفقیف علیہ)

جس طرح پودے کو تھوڑا تھوڑا پانی ملتا رہے تو ہمیشہ ہی سربراہ و شاداب رہے گا اور اگر ایک دن تو اسے ڈبو دیا جائے اور پھر دو ماہ تک بخربندی جائے تو سوکھ جائے گا۔ اسی طرح بہتر یہ ہے کہ ایمان کو قوت دینے والے نیک اعمال اگرچہ تھوڑے ہوں مگر ہمیشہ کئے جائیں۔ اس حدیث مبارکہ میں ”حسن عمل“ کا ایک ضابطہ بیان فرمایا گیا ہے کہ عمل پیغمبر مسیح اور مذاہمت کے ساتھ ہونا چاہیے۔ خواہ تھوڑا ہی سا کیوں نہ ہو۔ چنانچہ حضرت امام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعمال میں محبوب ترین وہ عمل تھا کہ بندہ عمل صالح پر دوام حاصل کرے اگرچہ وہ عمل تھوڑا ہی سا ہو۔

اسلام حسن عمل کو اس کی صحیح حیثیت میں ایمان کے تابع قرار دیتا ہے۔ جس کی بنیاد کتاب الہی اور سنت رسول پر ہو۔ ایک عمل کتنا ہی حسن (اچھا) کیوں نہ ہو اسلام کی نگاہ میں اسی وقت مقبول کیا جائے گا جبکہ وہ قرآن و سنت کے معیار پر پورا ارتقا ہو۔ اور حسن عمل کا سیدھا ساداق قرآن و سنت کا معیار یہ ہے کہ اس میں اخلاص ہو۔ بے شک قلیل عمل ہو، ظاہرداری، دکھاوے، ریاء اور شہرت کے خیال سے عمل ”حسن عمل“ کی تعریف میں نہیں آتا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: ”یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے وہ اصحاب جنت ہیں اور وہی جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔“ (البقرہ) اس آیت میں ایمان تمام اعمال صالح کی بنیاد کے طور پر بیان ہوا ہے۔ نیز یہ کہ تجات کا دار و مدار ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ یہاں عمل صالح سے مراد ایسا یک عمل ہے جو بے شک تھوڑا ہو لیکن جو ہو وہ اللہ رسول کے بتائے ہوئے طریقہ کے موافق ہو۔ حسن عمل بقین محاکم سے پیدا ہوتا ہے۔ جب تک ہمیں حسن عمل کے تقاضوں پر یقین نہ ہو گا اس وقت تک ہم حسن عمل کے درمیان فرق ایتیاز کے حقیقی مفہوم سے نا آشار ہیں گے۔

زندگی عمل کا دوسرا نام ہے۔ کیونکہ زندگی حرکت ہے اور موت سکون ہے۔ لیکن اس وقت یہاں موضوع سخن میں زندگی کو حسن عمل کہا گیا ہے۔ گویا طبیعتی طور پر عمل زندگی ہے۔ لیکن زندگی اپنے حقیقی اور مقصدی معنی میں ”حسن عمل“ کا نام ہے۔ یعنی خیر و نیک کا عمل جس کو قرآن کریم ”عمل صالح“ سے تعبیر کرتا ہے۔ ہمیں عمل کا صلہ تو اس دنیا کے قانون مکافات کے تحت مل ہی جاتا ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ حسن عمل کا صلہ بھی اس دنیا میں مل جائے۔ کیونکہ حسن عمل کا حقیقی صلہ جس میں نیت کا بڑا داخل ہوتا ہے، اللہ کے ہاں ہی ملتا ہے۔ اللہ ہمیں ایسے حسن عمل اور عمل صالح کو اپنی زندگیوں میں نافذ کرنے کی توفیق دے جو اسلام کے تقاضوں کے مطابق ہو۔

## توازن اور اعتدال

فَالرَّسُولُ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّ أَحَدُكُمْ نِشَاطًا، وَإِذَا قَرَأَ فَلَيُقْعُدْ.  
فرمایا: رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جب تک طبیعت خوش رہے آدمی نماز پڑھے اور جب تمک  
جائے تو بیٹھ جائے۔ (متقن علیہ)

کیونکہ اللہ تعالیٰ دل کی حالت کو دیکھ کر انسان کے عمل کی قدر کرتا ہے۔ اگر دل کی خوشی سے عبادت  
کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اسی اس عبادت کو پسند فرمائے گا۔ اگر دل اس عبادت کرنے سے پیزار ہو رہا ہے تو بادل  
خواستہ رکوع اور رجود کا کیا فائدہ۔

اسلام کا اصل اصول ہے کہ بہترین راہ عمل توازن اور اعتدال کی راہ ہے۔ سب سے اچھے اعمال وہ  
ہیں جو افراط و تغیریط سے پاک ہوں اور بہترین طریقہ عمل وہ ہے جس میں کمی و زیادتی نہ کی جائے۔ حضور  
اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعمال و عبادات میں ہمیشہ درمیانی راہ اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔

ایک مرتبہ تم آدمی مدینہ منورہ میں آئے اور ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا  
کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ عبادت کیا ہے؟ ازواج مطہرات نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ  
وآلہ وسلم کے معمولات سے مطلع فرمایا تو وہ بہت متعجب ہوئے۔ سب نے اپنا اپنا تصور عبادت پیان کیا۔  
ایک نے کہا کہ میں نے عہد کیا ہے کہ ساری رات جاگ کر نماز پڑھتا ہوں گا۔ دوسرا نے کہا میری  
خواہش تو یہ ہے کہ ہر روز روزہ رکھوں گا۔ تیسرا نے کہا میرا فیصلہ یہ ہے کہ عورتوں سے الگ رہوں گا اور  
کبھی شادی نہیں کروں گا۔ وہ لوگ یہ باتیں کر کے چلے گا۔ توانے تو ازواج مطہرات نے ان کی باتیں حضور اکرم  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر بیفس نفس ان لوگوں کے  
پاس تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ کیا تم لوگوں نے اس قسم کی باتیں کی ہیں۔ انہوں نے عرض کیا اے  
اللہ کے رسول! ہم لوگ گنگہار ہیں، ہمارے لئے اسی قسم کا تقویٰ اور عبادت ہونا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ  
وآلہ وسلم نے فرمایا: سنو خدا کی قسم میں تم سے زیادہ خوف خدا اور تقویٰ رکھتا ہوں۔ لیکن مجھے دیکھو میں روزہ  
بھی رکھتا ہوں، اور چھوڑ بھی دیتا ہوں۔ میں شب زندہ داری بھی کرتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور میں  
شادی بھی کرتا ہوں۔ اور یہ میری سنت ہے جو میری سنت سے اخراج کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔ اس طرح  
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس تصور عبادت کی نقی کر دی جو اعتدال اور توازن کی راہ  
سے ہٹا ہوا تھا۔

معلوم ہوا کہ اسلام میں حقوق اللہ، حقوق العباد اور حقوق النفس کے درمیان توازن قائم کرنے اور  
کمی و زیادتی نہ کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

## زبان سے کلمہ خیر کے سوا کچھ نہ کھے

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُودَ وَشَقَ الْجِيُوبَ وَذَعَا بَدْعَوَى الْجَاهِلِيَّةِ . (متقن عليه)

فرمایا: رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ: جس شخص نے رخاروں پر ہاتھ مارے اور گربیان کو پھاڑا اور جاہلیت کے زمانہ کے بین کئے وہ ہم سے نہیں ہے۔

یہ کافروں کی رسمیں ہیں جن سے پھلا لازم ہے۔ غم اور شدتِ رنج کے باعث آنکھوں سے آنسو بہہ جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ زبان سے سوائے انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ یا کسی اور کلمہ خیر کے اور کچھ نہ نکلنے پائے۔

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنے کو بی، ماتم کرنے اور بالوں کو نوچنے سے سختی سے منع فرمایا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی مرجا تھا تو لوگ سوگ ملتے تھے اور ماتم کرتے تھے۔ اور سب سے زیادہ یہ کام عورتیں کرتی تھیں جو ایسے موقعوں پر چیختی تھیں، بالوں کو نوچتی تھیں، سیدنے پیٹتی تھیں اور نوحہ کرتی تھیں۔ جو مرد و عورت سیدنے کو بی کرے گا یا ماتم کے طور پر اپنے جسم کو نوچے گا تو آخرت میں اس کے جسم پر تار کوں کی تہہ چڑھا دی جائے گی۔ اور جسم کو جہنم کی آگ سے گرمایا جائے گا۔ یہ ماتم کرنا اتنا بڑا اگنا ہے جس پر اتنی سخت قسم کے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

یہ ہماری شامتِ اعمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے۔ جو کام کرنے کے تھے وہ نہیں ہو رہے اور جو کام نہ کرنے کے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن کاموں کو کرنے سے روکا تھا وہ ہو رہے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ مصیبت یہاری اور مال کے نقصان یا کسی قریبی عزیز کے مرجانے کے وقت صبر کریں۔ اس وقت کا صبر یہ ہے کہ زبان سے خلاف شرع کلمہ نہ کہے، اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہ کرے کہ ایسا مجھ پر ظلم کیوں کیا یا اتنی جلدی ہمارے عزیز کو کیوں موت دے دی اور نہ بین کر کے روئے۔ البتہ طبعی غم سے روٹا اور آنسو بہانا اور اس صدمہ کا اپنے خاص احباب سے اس نیت سے اظہار کرنا کہ اس سے دل کا غم ہاکا ہو جاتا ہے، جائز ہے۔ کیونکہ بعض وقت بالکل صبر اور خاموشی سے دل کو یہاری الگ جاتی ہے۔ ایسے موقع پر اس کے ثواب کو یاد کرے اور یہ سوچے کہ یہ سب ہمارے فائدے کے لئے ہے اور یہ سوچے کہ بے صبری سے تقدیر تو ملتی نہیں ناحق ثواب بھی کیوں کھویا جائے۔ اور نفس کو مخاطب کرے: اے نفس! دنیا فاقنی، زندگی قلیل، ایک ایک سانس بے بہا گوہر، فرصت کو قیمت جان اور ابدی سعادت کا سامان کر لے ورنہ انجام حسرت کے سوا کچھ نہیں۔

## فضائل قرآن

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعْلَمَ الْقُرْآنَ وَعَلَمَهُ۔ (بخاری)

فرمایا: رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم میں سے بھلا آدمی وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔

شہنشاہ حقیقی عز اسمہ، جل مجده کی بارگاہ میں اس شخص سے بڑھ کر کون عزت پا سکتا ہے جو اس کے

نازل کردہ قانون (قرآن حکیم) کو سیکھے اور لوگوں کو سکھائے۔ کیونکہ باادشاہ کی وفاداری اور بغاوت کا دار و مدار اس کے قانون کی قدر شناسی پر موقوف ہے۔

قرآن مجید نبی نوع انسان کی فلاخ و بہبود کیلئے خدا کا آخری فرمان ہے۔ جو نبی برحق خاتم الانبیاء

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ عالم انسانیت کی ہدایت کیلئے اتنا را گیا۔ قرآن پاک تمام آسمانی کتب میں افضل اور تمام حکموں اور خوبیوں کا منبع اور مخزن ہے۔ اس کا علم حاصل کرنا سارے علوم میں اشرف، افضل اور احسن ہے۔ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اس کی فضیلت و عظمت کا اندازہ انسانی قلب و ذہن نہیں کر سکتا۔ البتہ احادیث نبوی اور اقوال صحابہ کے ذریعہ جن فضائل کا علم تک پہنچانا کا ذکر اور ادراک کسی حد تک ممکن ہے۔ ذیل میں چند احادیث پیش کی جاتی ہیں: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے

آخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آسمان و زمین کے درمیان چیزوں میں سب سے زیادہ محظوظ قرآن پاک ہے۔ (داری) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ جس کے

سینہ میں قرآن پاک ہے اس کا سینہ نبوت کا خزینہ ہے۔ سوائے اس کے کہ اس پر دوچی نہیں آتی۔ (حاکم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس گھر میں قرآن پڑھا جائے اس میں خیر کی کثرت ہوتی ہے اور جس میں نہ پڑھا جائے اس میں خیر کی ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے

اپنے بیٹے کو قرآن پڑھایا اس کو یقیناً قیامت کے روز جنت میں تاج پہنایا جائے گا۔ حضرت نعمان بن بشیر

رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی بہترین عبادت قرآن کریم کی قرأت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہو وہ

گھر آسمان والوں کو اس طرح روشن نظر آتا ہے جس طرح زمین والوں کو تارے دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اپنے گھروں کو نماز اور تلاوت قرآن کی روشنی سے منور ہاؤ۔

صد افسوس! ما دی ترقیوں کی چکا چوند نے ہمیں قرأت و حفظ کی طرف سے غافل اور اس کے کبھی نہ

ختم ہونے والے نیوض و برکات سے محروم کر لکا ہے اور ہم یہ حقیقت فراموش کرتے جا رہے ہیں کہ قرآن مجید ہی ہمارا حقیقی راہ نما اور نجات دہنڈہ ہے۔

## آداب ذکرِ اللہ

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ، وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ مَثَلُ  
الْحَقِّيَّةِ وَالْمَيْتِ۔ (متفق علیہ)

فرمایا: رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور جو نبیں کرتا زندہ  
اور مردہ کی تھی ہے۔

جس طرح زندہ اپنے ظاہر کو سوارتا ہے اور ایک تصور کر سکتا ہے اور مردے کا ظاہر ہے حس اور باطن  
میں سکوت و خاموشی اس پر طاری ہے۔ اسی طرح ذاکر کا ظاہر نور اطاعت و فرمانبرداری سے آرستہ ہے۔ اور  
اس کا باطن نورِ معرفت سے روشن ہے۔ اور غالباً ظاہری اطاعت سے بیکار اور باطن میں اندھا ہے۔

یہ تو محض اس کریم رب کا فضل ہے کہ ہماری گندی زبانوں سے اس کا ذکر جاری ہو جاتا ہے۔ ہم  
دن بھر اس گندی زبان سے جھوٹ، غبیت، گالی اور لغویات بولتے ہیں۔ پھر بھی اس کا پیارا نام ان زبانوں  
سے جاری ہو جانا بہت بڑی سعادت کی بات ہے۔ حضرت مولا ناخانوی رحمۃ اللہ سے بحوالہ مجدد الف ثانی  
رحمہ اللہ ارشاد فرمایا ہے کہ اس زبان کو سات سمندروں کے پانی سے دھولیا جائے، دنیا کی تمام خوشبوؤں سے  
اسے بالیا جائے پھر بھی اس زبان سے اللہ کا نام لینا اس نام کی توبیں ہے۔ قربان جائیں اس رحیم کریم  
رب پر کہ جس نے فضل فرمایا کہ میرا نام اگر بغیر و خصو کے بھی لے لوتب بھی مجھے بول ہے۔

اگرچہ ذکرِ اللہ کے لئے حق تعالیٰ نے کوئی شرط نہیں رکھی اس لئے یہ ہر طرح، ہر حال میں جائز اور  
موجب ثواب ہے۔ لیکن اگر ذکرِ اللہ کا ادب بخواہ کر کر کیا جائے تو وہ کیمیاء ہے جس سے خاک بھی سونا  
بن جاتی ہے۔ چند آداب درج ذیل ہیں:

☆ جہاں تک ممکن ہو ذکرِ اللہ کا اہل طریقہ سے کرنا چاہئے۔ ☆ بہتر یہ ہے کہ ذکرِ اللہ کے وقت قبلہ  
رو ہو کر بیٹھے ☆ عاجزی، خشوع و خضوع اور سکون و وقار کے ساتھ ذکر کرے ☆ نجاست اور بدبو کی جگہ ذکر  
نہ کرے ☆ ذکر کے وقت مساوک وغیرہ سے منہ صاف کر لینا بھی مستحب ہے ☆ ذکر کے ساتھ حضور قلب کا  
اهتمام جتنا ہو سکتا ہے کرے یعنی جو الفاظ زبان سے نکل رہے ہیں ان الفاظ کی طرف دھیان رکھتا تاکہ  
خیالات ادھر ادھر منتشر نہ ہو۔ ☆ جس شخص نے دن یا رات میں کسی وظیفہ کا معمول بنا لیا ہو مثلاً تلاوت  
قرآن اور تسبیح، تہلیل اور درود شریف واستغفار کی کوئی مقدار میں پڑھنے کا یا کچھ نوافل پڑھنے کا معمول ہو تو  
اس کی پابندی کرے۔ اگر کسی وجہ سے مقررہ وقت پر نہ پڑھ سکے تو دوسرا وقت میں پڑھ لے۔

صحیح مسلم میں رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص نے آخرات میں کوئی وظیفہ  
(نماز یا تسبیح یا قرأت یا تہلیل) کا معمول بنارکھا تھا۔ اگر کسی روز نیند کے غلبے سے ادا نہ ہو سکا تو نماز فجر کے بعد  
ظہر سے پہلے اس کو ادا کر لے تو اسی سمجھا جائے گا جیسے رات کے وقت مقررہ وقت میں ادا کیا ہو۔

## کسب حلال

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَا تَنِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبَالُ إِلَيْهِ الْمُرْءُ مَا أَخْذَ مِنْهُ أَيْمَنَ الْحَالَ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ۔ (رواہ البخاری)

فرمایا: رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی اس بات کی پروافنیں کرے گا کہ جو کچھ اس نے لیا ہے وہ حلال سے ہے یا حرام سے۔

جب رزق میں حلال و حرام کی پروافنیں رہے گی تو عبادت کی توفیق کیسے ہو گی؟ اور اگر کربھی لی تو قبولیت کیسے پائے گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو چیز تم کھاتے ہو اس میں سب سے بہتر وہ ہے جو تم اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاؤ۔ اس حدیث مبارک سے کسب حلال کی فضیلت اور محنت کی عظمت ثابت ہوتی ہے۔ جو سر کار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہوں میں ہے۔ کسب حلال کا مطلب ہے کہ حرام کی کمائی سے احتساب کیا جائے اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے: كُلُوا مِنَ الطَّيَّابَاتِ وَأَعْمَلُوا صَالِحًا۔ ”پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔“

جو لوگ حرام مال کھاتے ہیں وہ اللہ دروسوں کی نظر میں ناپسندیدہ لوگ ہیں۔ اسلام کسب حلال پر بڑا زور دیتا ہے۔ ایک مسلمان کیلئے پاک اور حلال کی کمائی فرض ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے ذمہ دوسرے فرائض عائد کئے ہیں اس کے ذمہ یہ بھی فریضہ ہے کہ وہ جائز طریقہ سے اپنی روزی کمائے۔ جو شخص خود اپنے لئے اور اپنے بال بچوں کے لئے حلال روزی کھاتا ہے اور ان کا پیٹ بھرتا ہے اس کا سارا عمل عبادت میں شمار ہوتا ہے۔ حلال روزی کے اثرات انسان کے قلب و ذہن پر مرتب ہوتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو شخص مثلاً دس درہم کا ایک کپڑا اخریدے اور ان میں ایک درہم حرام مال کا ہوتا خداوند تعالیٰ اس وقت تک اس شخص کی کوئی نماز قبول نہیں فرمائے گا جب تک کہ وہ کپڑا اس کے جسم پر ہو۔

اس فرمانِ رسول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہماری عبادتیں خواہ وہ جسمانی عبادتیں ہو یا مالی، اس وقت تک اجر و ثواب اور قبولیت کی مستحق نہیں جب تک کہ ہمارے جسم حلال روزی سے پرورش نہ پائیں۔ اور ہمارے ہاتھ اللہ کی راہ میں پاک مال نہ خرچ کریں۔

فرمایا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ: بہترین کھانا وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھوں سے کما کر کھائے۔

## مقروظ کو مهلت دینا

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ رَحْمَ اللَّهُ رَجُلًا سَمِعَ إِذَا بَاعَ وَإِذَا اشترى  
وَإِذَا أُفْتَضَى . (رواہ البخاری)

فرمایا: رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے: اللہ تعالیٰ رحم کرے اس شخص پر جب بیچتا ہے اور خریدتا ہے اور قرض کا تقاضا کرتا ہے تو زمی کرتا ہے۔

اس حدیث شریف میں رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نرم طبیعت والے مسلمان کیلئے دعا عرض فرمائی ہے۔ جو خرید و فروخت اور مقروظ سے قرض خواہی کے وقت زمی سے پہلی آتا ہے۔

حضرت ابوالیسری سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص تنگدست کو مهلت دے یا اسے قرض معاف کر دے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سامنے میں جگہ دے گا۔ (مسلم)

ان احادیث مبارکہ میں حکم دیا کہ اگر کوئی تنگدست تھا را مقروظ ہو تو فراخی تک اسے مهلت دو اور اگر معاف کر دو تو یہ تہارے لئے بہت بہتر ہے۔ مهلت دینے اور معاف کر دینے کے فوائد کا آج احسان نہیں ہوتا لیکن ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے۔ جب اپنے، پرانے ہو جائیں گے جب رشته ٹوٹ جائیں گے۔ انسان ہو گا اور قبر کا گبیر، کبھی نہ ختم ہونے والا اندر ہیرا، زم و گداز بستر ہوں گے نہ اعزاء و اقرباء۔

تریت میں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا      شعیں بھی جلا و تو اجالا نہیں ہوتا

اس دن مهلت دینے اور اپنے کسی تنگدست بھائی کو معاف کر دینے کا فائدہ نظر آئے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص مقروظ کو فراخی حاصل ہونے تک مهلت دے یا اسے معاف ہی کر دے تو یہ ایسا ثواب کا کام ہے، کہ اگر اس کے سوا اور کوئی نیکی کا کام نہ بھی کرے تب بھی صرف بھی ایک کام اس کی مغفرت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ بخاری و مسلم میں روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گزشتہ امتوں میں ایک شخص ایسا تھا جو نیکی کا کام نہیں کرتا تھا۔ البتہ وہ لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور جب اس کوئی مقروظ تنگ دست نظر آتا تو وہ اپنے ملازموں سے کہتا کہ اس سے درگزر کرو۔ شاید اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں سے بھی درگزر کرے، مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اسی نیکی کی بدولت اس کے گناہوں کو معاف فرمادیا۔ اس حدیث مبارکہ کا فلکیا یہ مقصود نہیں بنتا کہ آدمی حقوق اللہ اور حقوق العباد چھوڑ کر بیٹھ جائے۔ بلکہ اس کا فلکیا مقروظ کو مهلت دینے کی اہمیت کا بتلانا ہے، اپنی نیت کو درست رکنا چاہئے جو بھی اجر و ثواب ملے گا۔ نیت کی بنیاد پر ملے گا۔ اگر نیت اور عمل میں معمولی سا بھی کھوٹ ہو تو بڑے سے بڑے عمل کو رد کر دیا جائے گا کہ وہ دربار، دربار عالی ہے یہاں الفاظ کی نہیں جذبے کی قدر ہوتی ہے۔ ظاہر کوئی نہیں باطن کو دیکھا جاتا ہے صورت کوئی نہیں ارادوں کو معاشر قبولیت بنا لیا جاتا ہے۔ اس لئے اللہ سماج، بصیر اور علیم ”بذات الصدور ہے۔ اس سے کوئی شے پوشیدہ نہیں۔

## سود کے زہریلے اثرات

لَعْنَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِكْلَالِ الرِّبْوَا وَمُؤْكِلَهُ، وَكَاتِبَهُ، وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ۔ (رواہ مسلم)

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور دونوں گواہوں پر لعنت بھیجی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سب پر لعنت برایہ ہے۔ سود خوری اعلیٰ درجہ کی بد اخلاقی ہے لہذا جو شخص بھی اس میں شامل ہو گا وہ مجرم قرار دیا جائے گا۔ گناہ میں تو سب شامل ہوں گے۔ البتہ حصے کے تھوڑے یا زیادہ ہونے کا فرق ضرور ہے گا۔ سود کے زہریلے اثرات اس وقت قوم میں بری طرح اپنے پنجے گاڑھے ہیں۔ لوگ اس کے نقصانات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ کتنے ہی سرمایہ وار اس کی لپیٹ میں آکر تباہ و بریاد ہو چکے ہیں۔ کتنے ہی لوگوں کو ہوں مال نے سود کی طرف دھکیلہ اور ایسا پھنسایا کہ کنگال کر کے چھوڑا۔ کتنے ہی بڑے بڑے بنس میں اس سود کی نحوس سے نادہندگی کا سائن بورڈ بنے ہوئے ہیں۔ کروڑوں کی جائیداد، لاکھوں روپے کا مکان موجود، ہر طرح کی سہولیات و آرائش زندگی میسر لیکن جناب مکین فرار..... وجہ؟..... سودی کا روبار۔

سود کے یہ وہ چند نیاوی نقصانات ہیں۔ جس سے اس وقت پوری قوم دوچار ہے۔ جن قوموں کی تقلید میں اس لعنت کی لپیٹ میں آئے ہیں۔ وہ قومیں خود اس وقت سود چھوڑ کر اسلامی نظام مالیت کی طرف رجوع کر رہی ہیں۔ خود امریکا کے تمام بینک اس وقت سودی لین دین کی وجہ سے جاہی کے دھانے پر ہیں تو ان کو بھی اپنی بقاء کیلئے اسلامی نظام مالیت کے در پرستک دینا پڑ رہی ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق امریکا کے تمام بڑے بینک سود کے باہم ہونے کی وجہ سے اب اس بارے میں فکر مند ہیں کہ کس طرح اسلامی نظام میں موجود سود کا مقابل نظام رائج کیا جائے تاکہ عیشت کی ذوقی ہوئی اس ناؤ کو ساحل پر لا جائے۔

سود کو قرآن کریم نے اتنا بڑا گناہ قرار دیا ہے کہ شاید کسی اور گناہ کو اتنا بڑا قرار نہیں دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تم سود نہیں چھوڑو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔ یہ اعلان جنگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی اور گناہ پر نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اور بھی بڑے بڑے گناہ ہیں ان کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ ان کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ لیکن سود کے بارے میں یہ فرمایا: جو لوگ سودی معاملات نہیں چھوڑتے ان کیلئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ اس پر اتنی سخت وعید نازل ہوئی اتنی سخت اور واضح وعید کے باوجود بھی اگر کوئی مسلمان سود کے حق میں کوئی کلمہ کہہ تو اسے اپنے ایمان کی خیر منانی چاہئے۔ اللہ پاک مسلمانوں کو اس خوشنما سانپ سود سے جس نے پوری قوم کو دس رکھا ہے جلد بجا ت عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت

قَبِيلٌ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اذْعُ عَلَى الْمُشْرِكِينَ قَالَ إِنِّي لَمْ أُبَعِثْ لِعَانًا وَإِنَّمَا يُعْثِثُ رَحْمَةً۔ (رواہ مسلم)

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ مشرکوں پر بدعا فرمائیں آپ نے فرمایا: میں لعنت کیلئے نہیں بھجا گیا میں تو صرف رحمت بنا کر بھجا گیا ہوں۔ یہ آپ کے رحمت للعالمین ہونے کا ثبوت ہے کہ آپ فقط مومنین ہی کیلئے رحمت نہیں بلکہ مشرکین کیلئے بھی آپ کا وجود رحمت ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلق عظیم کے مالک ہیں۔ چنانچہ من جملہ دیگر بہترین اخلاقی صفات کے صفت شفقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر ہے۔ عام انسان تو کیا انبیاء صادقین سے زیادہ، یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے چنستان حیات میں شفقت اور محبت کے پھول جا بجا کھلے ہوئے ہیں۔ لیکن اس حقیقت کو ثابت کرنے کیلئے صرف فتح مکہ کا واقعہ ہی کافی ہے۔ کفار مکہ نے کون سا ظلم تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے نام لیواوں پر روانہ رکھا۔ مسلمانوں نے اگر مکہ چھوڑ کر کہیں پناہ لینا چاہی تو ان کا تعاقب کیا گیا۔ خود رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو ظلم و ستم روا رکھا گیا اور جس طرح انہیں ستایا گیا کہ نماز پڑھتے ہوئے کر پر بجاست رکھ دی، بازار طائف سے گزرے تو پھر مار مار کر یوں ہمان کردیا۔ جگہ بہ جگہ طعن و تشیع کے تیر برسائے گئے، دیوانہ پاگل اور جادوگر کہا۔ لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں بحیثیت فاتح داخل ہوئے ہیں تو آپ کی ذات انہیں کفار کیلئے سر اپا شفقت و رحمت تھی۔ عام دنیاوی قاعدے کی رو سے ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ تمام سرکش کفار پاہے زنجیر سامنے لائے جاتے اور انہیں سخت سخت سزا میں دی جاتیں۔ مگر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو اندازہ ہی جدا تھا۔ اعلان ہوتا ہے جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر کر کھا۔ اس کیلئے امن ہے، جو خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے گا وہ امن میں ہو گا اور جو بغیر تھیار چلے کا اس کیلئے امن ہے۔ جو ابوسفیان کے گھر داخل ہو جائے گا وہ امن میں ہو گا۔ یہ ابوسفیان وہی ہیں جو متعدد مشرکوں میں شکرِ اسلام کے خلاف صفات آرا ہوئے لیکن فتح مکہ سے ذرا پہلے ایمان لائے اس لئے ان کے گھر میں داخل ہونا موجب امن قرار دیا گیا۔

عفو و درگز رکی تلقین کرنا بہت آسان بات ہے لیکن اپنے قاتلوں، ستانے والوں، بر بادی چاہئے والوں کو پوری طرح غلبہ اور ہر طرح قابو پالینے کے باوجود کسی ملامت کے بغیر معاف کر دینا یہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان تھی۔ کفار مکہ سے ارشاد ہوتا ہے۔ جو تم سے آج کوئی باز پر ستمبھیں تم سب کے سب آزاد ہو بلا تفریق و امتیاز عام شفقت و رحمت کا یہ روشن باب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ اور سیرت مبارک کے سوا ساری تاریخ انسانیت میں ڈھونڈنے سے نہیں ملے گا۔

## حقیقی مسلمان

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَبُّوْا أَوْلًا أَدْلَكُمْ عَلَى شَيْءٍ إِذَا قَعَلْتُمُوهُ تَحَابِبُتُمْ أَفْشَوُا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ . (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تک تم ایمان نہیں لاوے گے جنت میں نہیں جاؤ گے اور جب تک باہمی محبت نہ کرو گے پورے مومن نہیں ہو گے تو کیا میں تم کو وہ بات نہ بتاؤں کہ جب اس کے خونگر ہو جاؤ تو باہمی محبت کرنے لگو (وہ یہ ہے) کہ آپس میں ہر شخص کو سلام کیا کرو خواہ وہ تمہارا آئشہ ہو یا نا آئشہ۔

مسلمان کی تین انواع ہیں: (۱) ظاہری مسلمان (۲) حکمی مسلمان (۳) حقیقی مسلمان۔

(۱) وہ شخص ظاہری مسلمان ہے جس کی زبان پر کلمہ اسلام اشہد ان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جاری ہے اور جو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مل کر نماز پڑھتا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ اس کے اعتقاد کی حقیقت سے واقفیت ہو۔ (۲) وہ شخص حکمی مسلمان ہے جو اپنے مسلمان والدین کی تابیعت میں ہونے کی وجہ سے مسلمان قرار پاتے۔ بلا خطا اس امر کے کہ اس شخص کی زبان پر کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار پایا جائے۔ (۳) وہ شخص حقیقی مسلمان ہے جس نے اللہ کی ذات کو اس کی تمام تر صفات کے ساتھ جیسی کہ ان کی حقیقت ہے جان لیا ہے اور رسیل و انہیا کو جیسی کہ ان کی حقیقت ہے جان اور مان لیا ہو اور ارکان اسلام کو جیسی ان کی حقیقت ہے جان لیا ہو اور مان لیا ہو۔ (کیونکہ صرف جاننا کافی نہیں بلکہ باتفاق امت ماننا شرط ہے)۔ جن میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اللہ تعالیٰ کی جانب سے خیر و شکار ہونا اور تمام ارکان اسلام کا اعتقاد شامل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ سے ایمان و اسلام سے متعلق جو بات ثابت ہوتی ہے کہ ایمان نام ہے پانچ عقائد کا (۱) ایمان باللہ (۲) ایمان بالرسول (۳) ایمان بالملائکہ (۴) ایمان بالغیب (۵) ایمان بالآخرہ اور اسلام نام ہے پانچ ارکان کا (۱) شہادتین (۲) نماز (۳) زکوٰۃ (۴) روزہ رمضان اور (۵) حج۔ چنانچہ ہر وہ شخص جو ان عقائد و ارکان کا معتقد اور اقراری ہو مسلمان کہلائے گا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ اعتقاد اور اقرار اس حقیقت کے مطابق ہو کتاب اللہ اور سنت رسول سے ظاہر ہو۔

مندرجہ بالا تعریفات سے آسانی یہ نتیجہ کالا جاسکتا ہے کہ شہادت مسلم کے اعتبار سے ہر مسلمان خواہ وہ ظاہری ہو یا حکمی اس وقت تک مسلمان قرار پاتے گا جب تک کہ اس کا حقیقی مسلمان نہ ہونا ثابت ہو جائے۔ خلاصہ کلام ہر وہ شخص جو خدا کو ایک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی مانتا ہو اور ضروریات دین کو جو جماعت سے ثابت ہیں، دل سے مانتا ہو اور ان کی پابندی کا زبان سے اقرار کرتا ہو وہ مسلمان ہے۔ مذکورہ حدیث کے مطابق تب ہی جنت میں داخلے کا مصدقہ ہے۔

## کلمہ طیبہ

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَقَنُوا مَوْتَأْكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ . (رواہ مسلم)

فرمایا: رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ تلقین کیا کرو۔

ابوداؤد میں روایت ہے، رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص کا آخری کلمہ لا الہ الا اللہ ہو گا وہ بہشت میں داخل ہو گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کلمہ طیبہ سے مراد کلمہ شہادت ہے جس کی جڑ مومن کے قلب میں ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں کہ اس کی وجہ سے مومن کے اعمال آسمان تک جاتے ہیں۔ سورہ فاتحہ میں ارشادِ باری ہے۔ ”جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے وہ اللہ ہی سے عزت حاصل کرے، کیونکہ ساری عزت اللہ ہی کے واسطے ہے۔ اسی تک اپنے کلمے پہنچتے ہیں اور نیک عمل ان کو پہنچاتا ہے۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اپنے کلمے سے مراد لا الہ الا اللہ ہے۔ یہی کلمہ طیبہ دین کی بنیاد ہے ایمان کی جڑ ہے۔ صحیح حدیث میں ہے قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک لا الہ الا اللہ ہے و لا کوئی زمین پر ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ مجھے کوئی ورتدعیم فرمادیجئے۔ جس سے آپ کو یاد کیا کروں اور آپ کو پکارا کروں۔ ارشادِ خداوندی ہوا کہ لا الہ الا اللہ ہما کرو۔ انہوں نے عرض کیا ہے پروردگار یہ تو ساری ہی دنیا کہتی ہے۔ ارشادِ ہوالا لا الہ الا اللہ کہا کرو و عرض کیا میرے رب میں تو کوئی اسکی مخصوص چیز مانگتا ہوں جو مجھ ہی کو عطا ہو۔ ارشاد ہوا اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھدی جائیں اور دوسری طرف لا الہ الا اللہ رکھدیا جائے تو لا الہ الا اللہ والا پلڑا جھک جائے گا۔ اخلاص پیدا کرنے کیلئے جس قدر مفید اس کلمہ کی کثرت ہے اتنی کسی دوسری چیز میں نہیں۔

اس کلمہ کا نام ہی جلاء القلوب (دلوں کی صفائی) ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو بنہ کسی وقت بھی دن میں یارات میں لا الہ الا اللہ کہتا ہے اس کے اعمال نامے سے برائیاں مٹ جاتی ہیں اور نیکیاں لکھدی جاتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ (یہ کلمہ) فرش کے سامنے نور کا ایک ستون ہے جب کوئی شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو وہ ستون بلنگا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے بلنگہ جا ستون عرض کرتا ہے کیسے ٹھہر ہوں۔ حالانکہ کلمہ طیبہ پڑھنے والے کی بھی تک مغفرت نہیں ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے، اچھا میں نے اس کی مغفرت کر دی تو وہ ستون ٹھہر جاتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لا الہ الا اللہ پر نہ قبروں میں وحشت ہے، نہ میدانِ حشر میں۔ اس وقت گویا وہ منظر میرے سامنے ہے۔ جب وہ سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے قبروں سے الجھیں گے اور کہیں کے کہ تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں۔ جس نے ہم سے ہمیشہ کیلئے رنج و غم دور کر دیا۔

## سلام کے فضائل و آداب

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ وَالْمَارُ عَلَى الْقَاعِدِ  
وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ۔ (رواہ البخاری)

فرمایا: رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھوٹا بڑے پر اور گزرنے والا بیٹھنے والے پر اور تھوڑے آدمی زیادہ پر سلام کریں۔

ایک حدیث میں ہے کہ سلام دینے سے آپس میں محبت پیدا ہوگی۔ واقعی جب ایک مسلمان دوسرے کو خدا پیشانی سے سلام کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک طرح کی فرحت پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی درستی شارع کا نصب لھین ہے۔ اسی لئے شرعاً مسلمان کے ذمہ لازم کیا گیا ہے کہ جب دوسرے بھائی سے ملتوی سے سلام کہے۔

دنیا کی ہر قوم میں رواج ہے کہ جب آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو کوئی نہ کوئی کلمہ آپس میں محبت کے افہام کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ اسلام نے ملاقات کے وقت سلام کی ترغیب دی اور زمانہ جاہلیت میں استعمال کئے جانے والے الفاظ سے منع کر دیا گیا۔ چنانچہ حضرت عمر بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں ملاقات کے وقت یہ کہا کرتے تھے: "انعم اللہ بک عینا و انعم صباحاً" (یعنی خدا تمہاری وجہ سے آنکھوں کو ٹھنڈار کھے اور تم صبح نعمتوں میں داخل ہو)۔ پھر جب اسلام کا زمانہ آیا تو ہمیں یہ کہنے سے منع کر دیا۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ اسلام جتنا جامح ہے کوئی دوسرے ایسا جامع نہیں۔ کیونکہ اس میں صرف افہام محبت ہی نہیں بلکہ ساتھ ساتھ ادائے حق محبت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ آپ کو تمام آفات اور آلام سے سلامت رکھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسلام ایک عالمگیر جامعیت رکھتا ہے۔ ☆☆ اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ہے ☆☆ تذکیر بھی ☆☆ اپنے مسلمان بھائی سے افہام محبت بھی ☆☆ اس کیلئے بہترین دعاء بھی ☆☆ اور اس سے یہ معابدہ بھی کہ میرے ہاتھ اور زبان سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ جیسا کہ حدیث میں رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے۔ مسلمان تو وہی ہے جس کے ہاتھ وزبان سے سب مسلمان حفوظ رہیں۔ سلام کے متعدد فضائل احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ ایک شخص نے رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا اسلام (یعنی اسلام کے کون سے اعمال) بہتر ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم کھانا کھلاؤ اور اس شخص کو سلام کرو جس کو پہچانتے ہو اور جس کو نہیں پہچانتے۔ ایک دوسری روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ تم مومن بنو اور تم (حقیقی) مومن نہیں بن سکتے یہاں تک کہ آپس میں محبت کرو۔ کیا میں تمہیں نہ بتاؤں ایسی چیز کہ جب تم اس کو کرو تو آپس میں محبت کرنے لگو؟ آپس میں سلام کو پھیلاؤ۔

## اسلام میں عورت کا مقام

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَالَ جَارِيَتِينَ حَتَّىٰ تَبْلُغاً جَاءَ يَوْمَ الْقِيمَةِ آنَا وَهُوَ هَنَدًا وَضَمَّ أَصَابَعَهُ . (رواہ مسلم)

فرمایا: رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے: جس شخص نے بالغ ہونے تک دولہ کیاں پالیں قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح آئیں گے اور اپنی انگلیوں کو مولا کر دکھایا۔

صنف نازک کی خدمت کرنا، دنیا دار محض تاوان اور بارگراں خیال کرتے ہیں۔ اس لئے اس بے کس مخلوق کی خدمت پر اجر عظیم کا وعدہ دیا گیا تاکہ ہر مسلمان شوق سے اس کی تربیت کرے۔ آج بھی بہت سے علاقوں میں لڑکی کو ایک بوجھ اور صیبیت سمجھا جاتا ہے اور اس کے پیدا ہونے پر گھر میں بجائے خوشی کے افسردگی اور غمی کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ حالت تو آج ہے لیکن اسلام سے پہلے عربوں میں تو بے چاری لڑکی کو باعث نگک و عار تصور کیا جاتا تھا۔ اور اس کا یہ حق بھی نہیں سمجھا جاتا کہ اس کو زندہ ہی رہنے دیا جائے۔ بہت سے شقی القلب خود اپنے ہاتھوں سے اپنی بچی کا گلا گھونٹ کر اس کا خاتمه کر دیتے تھے یا اس کو زندہ زمین میں ڈن کر دیتے تھے۔ دو بجا طبیت میں عورت جس پوچتی کے گڑھے میں تھی اور جدید دور نے جس انداز سے اس کو آزادی کا نعرہ دے کر ذلت سے دوچار کیا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ وہ مملکت خداداد جس کی بنیاد لا الہ الا اللہ پر رکھی گئی۔ آج اس میں عورت سڑکوں پر آ کر آزادی کا مطالبہ کر رہی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ سائنسی انتسابات نے دنیا کو بہت کچھ دیا لیکن جو سوچ مغرب نے عورت کو دی آج اس کا انجام دلکھ کر مغرب کے دانشور سر پیٹ کر رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ اسلام وہ مذہب ہے جس نے عورت کو پوچتی کی اہمیتی گھر ایسوں سے نکال کر عزت، مرتبت کا اعلیٰ مقام دیا۔ مغرب اور اس کے ہمنوا جو کل تک عورت کو عورت مانے کیلئے تیار نہ تھے آج اسے آزادی کا سبق پڑھا رہے ہیں۔ آزادی نسوان کا نعرہ لگانے والے مغرب کے فلسفی خود منعکھلے خیز نظریات رکھتے تھے۔ ☆ سقراط کہتے ہیں کہ ”عورت سے زیادہ قدر و فساد کی کوئی چیز نہیں☆ فرانس کے ایک شاعر نے عورت کو مکینہ جانور کہا☆ یونانیوں کیلئے عورت صرف عیش و عشرت، تجارت اور افرائش نسل کیلئے ہے۔ ہماری کلپر میں عورت کو بہنہ کر کے نچا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے کروائے جاتے ہیں وغیرہ۔

یہ ہے ان ممالک کا کچھ چھٹا جو آزادی نسوان کا نعرہ لگا کر عورت کو نچا رہے ہیں ان کو مردوں کے سامنے بہنہ کر رہے ہیں۔ اس کو سینماوں و کلبوں اور جو اخانوں کی زینت بنا رہے ہیں انہیں ساری دنیا کے سامنے بے پردہ کر رہے ہیں، اس کے بر عکس اسلام نے وہ حقوق دیئے جس کی وجہ سے اس کا مقام بلند ہوا۔ اسلام نے عورت کو جیسے کا حق دیا۔ تعلیم کا، نکاح کرنے کا، شوہر کے ساتھ تعلقات ٹھیک نہ ہوتے خلع کا، شوہر کے انتقال کے بعد وسرے نکاح کا حق دیا۔ کہیں ماں کا درجہ، کہیں بیٹی کے حسین روپ میں ڈھالا، کہیں بہن جیسے پاکیزہ رشتے سے مزین کیا اس قابلی جائزہ کی روشنی میں عورتوں کو خود سوچ لینا چاہئے کہ آزادی نسوان کے علمبرداران کو کیا دینا پاچاہتے ہیں۔

## شکران نعمت

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللَّهَ۔ (ترمذی)  
فرما یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو آدی لوگوں کا شکر یہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر یہ ادا نہیں کرتا۔  
بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے  
ایک دن ارشاد فرمایا: کہ انسان کے بدن میں جتنے جوڑ ہیں ہر روز ان کا صدقہ کرنا انسان پر واجب ہے۔  
ایک روایت میں ہے کہ آدمی کے بدن میں تین سو سانچھے جوڑ ہیں۔ اور ہر جوڑ کا صدقہ ادا کرنا چاہئے۔ لوگوں  
نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کسی میں اتنا صدقہ ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو تو وہ کیا  
کرے۔ ارشاد ہوا نئی کا حکم دے اور بائی سے روکے بھی اس کیلئے صدقہ ہے۔ لوگوں نے دریافت کیا اگر  
اس کی بھی استطاعت نہ ہو ارشاد ہوا تکلیف دینے والی چیز کو راستے سے ہٹا دو۔ عرض کیا گیا کہ اس کی بھی  
استطاعت نہ ہو؟ فرمایا کمزوروں کی مدد کرے کسی نے دریافت کیا اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو؟ فرمایا کسی کو  
اپنے ہاتھ سے تکلیف نہ پہنچائے یہ بھی صدقہ ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت یونس بن عیید کے سامنے اپنی تندتی کی شکایت کرتے ہوئے کہا  
کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بالکل ہی محروم کر رکھا ہے۔ حضرت یونس نے اس سے کہا اچھا اگر یہ بات ہے تو میں  
تمہاری ایک آنکھ کیلئے ایک لاکھ درہم دیئے کو تیار ہوں۔ اپنی ایک آنکھ کا لال لینے دو۔ اس نے کہا یہ تو نہیں  
ہو سکتا۔ اچھا ایسا کرو کہ ایک لاکھ درہم کے عوض ایک ہاتھ کاٹ لینے دو۔ اس نے کہا میں اس کیلئے بھی تیار  
نہیں۔ فرمایا اچھا میں تمہیں دولا کھدوں گا اپنا ایک پیر کاٹنے دو۔ اس نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ فرمایا ظالم!  
لاکھوں کی دولت نے پھرتا ہے، اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی شکایت کرتا ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ  
انسان کو چاہئے کہ اپنے بدن پر غور کر لیا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پیر دل و دماغ جیسی  
کسی کیسی نعمتیں اسے عطا فرمائی ہیں۔ ان نعمتوں کا شکر یہ یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت میں صرف کرے اور نہیں  
معصیت کی جگہ استعمال نہ کرے۔ اچھے لوگ ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ سکھ ہو کر دکھا سے اپنے  
پروردگار کی دین سمجھتے ہیں۔ خوشی اور راحت کے لحاظ میں نعمتوں اور برکتوں پر اپنے رب کی حمد و شناخت کرتے  
ہیں۔ کڑے وقت میں تسلیم و رضا کے پیکر ہوتے ہیں اور اسے اپنے ایمان اور استقامت کی آزمائش سمجھ کر  
اپنے خدا سے امداد اور استعانت کی دعا مانگتے ہیں۔ لیکن سب انسان ایک جیسے نہیں ہوتے۔ بچ تو یہ ہے کہ  
دنیا میں کثرت ان لوگوں کی ہے جو ہر راحت و خوشی کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دنیا کی  
ساری دولت ان کے قبضے میں آجائے ان کی بھوک بڑھتی چلی جاتی ہے کبھی کم نہیں ہوتی۔

خلاصہ کلام ایمان والوں کیلئے اللہ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: اگر تم میرا شکر ادا کرتے رہو گے  
تو میں تمہارے اوپر اپنے انعامات بڑھاتا چلا جاؤں گا۔ (ابراہیم)

## شیلی فون اور موبائل پر گفتگو

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَقَدْ رَأَيْتُ أَوْ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أَتَجَوَّزَ فِي الْفَوْلِ فَإِنَّ الْحَوَازَ هُوَ خَيْرٌ۔ (رواہ ابو داؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہے کہ بات کرنے میں اختصار سے کام لوں۔ کیونکہ بات میں اختصار ہی، ہتر ہوتا ہے۔“

انسانی زندگی رابطوں سے قائم ہے۔ یہ رابطے، تعلقات، معاملات اور گفتگو سے قائم رہتے ہیں۔ فاصلوں کو کم کرنے کیلئے بیضاوات، خط و تابت، ڈائکارنے اور شیلی فون اور موبائل فون وغیرہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ موجودہ صدی کی ایک اہم ضرورت بن گیا ہے۔ اس ایجاد کے ذریعہ نہ صرف فاصلے کم ہو گئے ہیں بلکہ انسان کا وقت بھی فتح جاتا ہے۔ اگرچہ مندرجہ بالا حدیث مبارکہ کے مطابق بات اختصار اور ضرورت کے مطابق کی جائے۔ کیونکہ آج کا انسان اس ایجاد کا احتیاج ہو کرہ گیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ موبائل فون انسانی مراجع کے آخری مرحلے میں داخل ہو گیا ہے۔ موبائل فون یا شیلی فون اپنی ذات میں بہت سی سہولتوں کے ساتھ ساتھ زندگی رکھتا ہے۔ اس کے مفید استعمال کیلئے کچھ تجویز پیش خدمت ہیں: ☆ جہاں آپ نے فون کیا ہے جس کو آپ مخاطب کرنا چاہتے ہیں کہیں اس کے سونے یا نماز میں مشغول ہونے کا وقت تو نہیں۔ اگر ہے تو بلا ضرورت شدیدہ آپ کا فون کرنا جائز نہیں ☆ جس شخص سے بات پیش کرنی ہو تو اس سے دریافت کر لیا جائے کہ آپ سے بات کرنے میں کس وقت سہولت ہو گی۔ وہ جو وقت ملتا ہے اس کی پابندی کی جائے۔ اگر بات طویل کرنی ہو تو پہلے مخاطب سے دریافت کر لیا جائے۔ اگر وہ اس وقت منع کر دے کہ مجھے اس وقت فرستہ نہیں ہے تو گفتگو نہ کرے اور نہ ہی برا مانے۔ ☆ بعض لوگ شیلی فون یا موبائل فون کی گھنٹی سے بچنے کی پروافنیں کرتے اور نہ ہی اس بات کی زحمت گوارہ کرتے ہیں کہ معلوم کریں کون ہے۔ اور کیا چاہتا ہے۔ یہ اسلام یا اخلاق کے خلاف ہے۔ فون کرنے والے کی حق تلفی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے جو شخص آپ سے ملاقات کرنے آیا ہے۔ اس کا آپ پر حق ہے کہ آپ اس سے بات کریں اور بلا ضرورت شدیدہ ملاقات سے انکار نہ کریں۔ اسی طرح فون پر جو آدنی بات کرنا چاہتا ہے اس کا حق یہ ہے کہ آپ اس کو جواب دیں۔ بے شک طویل گفتگو نہ کریں۔ ☆ گفتگو واضح اور صاف انداز میں اور شاسترہ زبان استعمال کیجئے۔ یہ بھی فون کے اخلاقیات میں سے ہے۔ اگر آپ نے فون کیا ہے تو اپنی مطلوبہ معلومات ملنے کے بعد وقت ضائع کرنا غلط بات ہے۔ کیونکہ موبائل کمپیوٹر نے چند گلوں کے مقابلہ کی خاطر پوری قوم کو وقت ضائع کرنے کے وباں میں مبتلا کر دیا ہے۔ شیلی فون یا موبائل فون اہم فوری بیضاوات پہنچانے اور وقت بچانے کا ذریعہ ہے۔ اسے تفریق کا سامان مت بنائیے۔ اس کے ذریعے دسوں کا آزمائش میں ہرگز نہ ڈالیں۔ اگر حدیث مبارکہ کے اس اصول کے مطابق بات کم سے کم کریں گے تو اس میں راحت ہی راحت ہے۔ اس کے خلاف کرنے میں تکلیف اور پریشانی ہی پریشانی ہے۔

## تعزیت

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْمُسْلِمِ خَمْسٌ "رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمُرْبِضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَاحِ وَإِجَابَةُ الدَّغْوَةِ وَتَشْمِيمُتُ الْعَاطِسِ . (بخاری و مسلم، ترغیب)

فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔ (۱) سلام کا جواب دینا (۲) مریض کی مراجی پری کرنا (۳) جنازہ کے ساتھ جانا (۴) اس کی دعوت قبول کرنا (۵) چینک کا جواب یحیمک اللہ کہہ کر دینا۔

اس حدیث مبارکہ میں ایک حق جنازہ کے ساتھ جانا یعنی جس شخص نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کی تو اس کو اتنا ہی اجر ملے گا جتنا اس مصیبت زدہ کو ملتا ہے۔ سرور کوئین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل عطا ہونے والی شریعت مطہرہ (حدیث شریف) کا ایک خصوصی امتیاز ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اور پہلو ایسا نہیں جس میں کوئی حسب حال ہدایت، رہنمائی اور تعلیم نہ ملتی ہو۔ نبی آخراں مال محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسلمان کے دوسرا مسلمان پر متعدد حقوق کا جب ذکر کیا تو ان میں ایک اہم حق یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر کسی مسلمان بھائی کو کسی حادث فاجعہ المناک ساخت اور خصوصاً موت کا غمنا ک واقعہ پیش آئے۔ کوئی مرد و عورت، بوڑھا، پچھے اللہ تعالیٰ کی کوپیا را ہو جائے تو مسلمان بھائی کا فرض بتنا ہے کہ سانچے سے دوچار ہونے والے متاثرین کا حق اس طرح ادا کرے کہ جنازے میں شرکت کرنے کی کوشش کی جائے۔ وقت شرکت آسان ہو تو ضرور کی جائے اور تعزیت کا افضل حق تو یہ ہے کہ مغموم خاندان سے تسلی آمیز، سکون بخش گفتگو کرتے ہوئے پیارا ہو جائے۔ تو مسلمان بھائی کا فرض بتنا ہے۔ صبر و استقامت کی فضیلت یا ان کرنا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور مصلحت و حکمت کی تلقین و ترغیب ہی وقت کا تقاضا ہے جس سے متاثرین کے حق کی ادائیگی کا فرض پورا ہو سکتا ہے۔ تعزیت کے حقوق میں بھی اسلامی تعلیمات کا خلاصہ تو یہ ہے کہ غم و اندہ و کوم کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور یہ جبھی ممکن ہے کہ حق تعالیٰ جل مجدہ کی خالقیت، حاکیت اور مشیت کو مدنظر رکھا جائے۔ قضاء و قدر کے فیصلے اٹل ہیں۔ جو کچھ ہوا اس کے حکم سے ہوا، وقت مقررہ پر ہوا، اور جو کچھ ہو گا کہ اس کا کوئی حکم بغیر حکمت و مشیت کے نافذ نہیں ہوتا۔ نماز اور صبر ہی، بہترین اسباب بننے ہیں کہ حق تعالیٰ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ پیش آمدہ مصائب و آزمائشوں میں صبر اور نماز کے ذریعہ مد واللہ تعالیٰ کی طلب کرنے والے اور ایسے موقع پر انا اللہ وانا الیہ راجعون کہتے رہنے اور پڑھتے رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ اپنی خاص و عام رحمتیں نازل فرماتے اور صبر کرنے پر بے حد و بے حساب اجر دینے والے ہیں۔ اَنَّمَا يُؤْفَى الصَّابِرُونَ أَجْرُهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق بہتر صبر تو وہی ہے جو اول میں حاصل ہو جائے۔ لیکن یہ مقام اگر ابھی میسر نہ ہو تو خود حق تعالیٰ نے وقت کو ایک ایسا مرہم اور صبر دینے والا بنا یا کہ وقت گزرتے گزرتے آخر کا صبر آہی جاتا ہے۔

## خود غرضی اور ایثار

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخْيَهُ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ . فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی بندہ اس وقت تک پورا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کیلئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث مبارکہ کی تشریح میں مولانا عاشق الہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: درحقیقت اگر لوگ صرف اسی ایک حدیث پر عمل کر لیں تو کبھی تعلقات میں کشیدگی پیدا نہ ہو اور سب آرام سے زندگی گزاریں۔

لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانی جبلت و فطرت اور رشت میں مادہ خیر و شرزوں اول سے ولیعت فرمادیا ہے۔ انسان کا جھکاؤ خیر کی نسبت پستی کی جانب زیادہ اور سر لعج فقار ہوتا ہے۔ کامیاب وہ شخص ہے جو اپنے نفس کا تزکیہ و تصفیہ کرے۔ ظاہر کے گناہوں کی گندگیوں کو چھوڑنے کے ساتھ ساتھ باطن کو خصال حسنہ و صفات حمیدہ سے مزین و معطر اور مصطفیٰ کرے۔

”خود غرضی“ بھی ایک روحانی اور اخلاقی بیماری ہے۔ جو ایک مسلمان کے ایمان کو اندر ہی اندر دیکھ کی طرح چاٹ رہی ہوتی ہے اور اس کے قلب میں موجود مضبوط ”ایمانی قوت“ کو زعک آلو دلو ہے کی طرح گلا دیتی ہے۔ اس طرح آہستہ ان دیکھے طریقے اور راستوں سے انسانی عمل کے تانے بانے نفاق کی سرحدوں کو پھوٹنے لگتے ہیں۔ خود غرضی ”فرد یا معاشرہ“ کی سوچ کا دائرة کا صرف اپنی ذات تک محدود ہوتا ہے۔ اپنی ذات سے بڑھ کر دوسرے کیلئے سوچنا ”بہتر اور خوب بہتر سوچنا“ مندرجہ بالا حدیث کی روشنی کے تحت آج کا معاشرہ کلی طور پر محروم ہے۔ ذرا اسلام کی ابتدائی تاریخ پر سرسری سی ایک نظر بھی ڈالیں گے تو آپ محسوس کریں گے کہ اس دور میں ایک اچھے اور پکے مسلمان (صحابہ کرام) اور ظاہری طور پر اسلام کا کلمہ پڑھنے والے (منافق) کے درمیان جہاں اور بہت سی چیزیں وجہ امتیاز تھیں۔ ان میں سے ایک نہایاں اور واحد و صاف ”خود غرضی اور ایثار“ کا پایا جانا بھی تھا۔ جہاں ایک طرف وہ جماعت تھی جو دل و جان سے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا اور جان شارٹھی۔ اپنا فائدہ اپنی ذات نام کی کوئی چیز ان حضرات کے لاغت میں شامل و داخل نہ تھی تو دوسری طرف منافقین کا وہ گروہ بھی موجود تھا جو اپنی ذاتی وقی مصلحت اور مسلمانوں کا غلبہ دیکھ کر ان کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ کتنے ہی غذوات کی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ عین میدان قوال میں منافقین نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ تھا اپنی ذاتی اغراض کی خاطر چھوڑ دیا تھا۔ اس کے برعکس حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایثار و قربانی کی ایسی لازواں اور انہت داستانیں رقم کیں جو رہتی دنیا تک کیلئے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ میں ہمارے لئے کیا روشنی اور نور انہیں سے نکلنے کیلئے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ میں ہمارے لئے کیا روشنی اور نور بدایت پوشیدہ و پہنچاں ہیں، مذکورہ حدیث مبارکہ اسی جانب ہماری رہنمائی کر رہی ہے۔

## خیر خواہی اور خدمتِ خلق

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الَّذِينَ الصَّابِرُونَ . (بخاری)  
فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین خیر خواہی ہے۔

ایک دن حشر کے میدان کا نقشہ کھینچتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک انسان سے فرمائے گا۔ اے ابن آدم! میں بیمار ہو گیا تھا تو نے میری بیمار پس نہ کی۔ یہ سن کر بندہ تعجب میں پڑ جائے گا، بارہ بہہ یہ کیسے ممکن ہے کہ تو بیمار پڑے تو تو رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے بندے! کیا تھے خبر نہیں کہ میرا فلاں بندہ تیرے قریب ہی بیمار پڑا ہوا تھا مگر تو نے اس کی خبر نہ لی حالانکہ اگر تو اس کی بیمار پس کیلئے جاتا تو مجھے اس کے قریب ہی پاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے ابن آدم! میں نے مجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے مجھے کھلا یانہیں۔ بندہ عرض کرے گاموںی! بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تجھے کسی بات کا احتیاج ہو؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تھے یاد نہیں کہ میرے فلاں بھوکے بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے انکار کر دیا تھا۔ اگر تو اسے کھانا کھلا دیتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

اسلام جو معاشرتی ڈھانچہ بناتا ہے اس کی بیانیں دوسرے بڑی مضبوط اور بڑی منظم ہیں۔ ایک دوسرے کی خیر خواہی کو صرف اخلاقی ذمہ داری نہیں رہنے دیا گیا بلکہ اسے دینی ذمہ داری بھی بنا دیا گیا ہے۔ یعنی اگر مسلمانوں نے آپس میں ایک دوسرے کی بھلائی اور خیر خواہی کیلئے کام نہیں کیا تو ہم اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کریں گے۔ اگر اس بات کو ہم اچھی طرح سمجھ لیں تو تجارت میں بے ایمانی، ناپ تول میں کمی، ذخیرہ اندوزی اور ملاوٹ نہ ہو۔ دفتروں میں کام چوری نہ ہو، پڑوئی ایک دوسرے سے خوش رہیں، خاندان میں میں محبت اور ہمدردی کی فضلا قائم رہے۔ مشکل یہ ہے کہ ہماری عادتوں میں بڑگی ہیں۔ ہم مسلمان کم اور منافق زیادہ ہیں۔ اسلام کے اصول ہمارے لئے ہاتھی کے دانتوں کا کام دیتے ہیں، کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کے کونے کونے کے مسلمانوں کو بھائی قرار دیتے ہیں۔ رنگ و نسل، زبان یا مقام سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن ہم دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیلتے اور بھائیوں کے گلے دبپختے ہیں۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجارت کرتے تھے، آپ نے کپکے تول اور کھرے دام کیلئے تاکید فرمائی ہے۔ لیکن ہم کم تولے، ملاوٹ کرنے اور دھوکہ دینے سے بھی باز نہیں آتے۔ کیسے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نافرمان اور بے خوف ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کار و بار اور نوکری اور چیز ہے ایمان اور چیز ہے۔ یہ بری عادتوں کیلئے بدترین بہانہ ہے۔ یہ لوگ خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ ان کیلئے چھوٹ نہیں، آخرت میں تو وہ پکڑے ہی جائیں گے اس دنیا میں بھی ان کا منہ کالا ہوگا۔ کسی کا جلد کسی کا دری سے یہ اللہ کی مصلحت ہے۔ مومن کامل کی زندگی خدمتِ خلق و خیر خواہی کیلئے وقف ہوتی ہے۔ وہ دن رات انسانی دلوں کو رہنمہ محبت میں پر نے کیلئے بے چین رہتا ہے۔ کیونکہ قیامت کے بازار میں دلوں کو راحت پہنچانے سے زیادہ کسی چیز کی قدر نہ ہوگی۔

## کسی کو برا کھنا یا جنگ و جدال کرنا

فَالَّذِي نَهَا اللَّهُ عَنْهُ وَأَنْهَا وَسَلَّمَ قَالَ سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقَاتَلَهُ كُفَّرٌ . رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان کو گالی دینا (برا کھنا یا جنگ کی بات ہے اور اس سے جنگ و جدال کرنا) کفر کی چیز ہے۔ (بخاری)

اسلام پا کیزہ دین اور نہ سب ہے اس میں انسان تو انسان جانوروں کو بھی گالی دینے کی ممانعت کی گئی ہے۔

حدیث پاک میں موجود لفظ ”سب“ کا ترجمہ علماء نے گالی دینے سے کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ فحش بازاری گالی دی جائے تو وہ گالی ہے۔ بلکہ کسی کو برے لفظ سے یاد کرنا گالی میں شامل ہے۔ اگر ماں، بہن کی گالی نہ دی بلکہ بے ہودہ، لگدھا، کمینہ یا غنی کہہ دیا ہے پھر بھی ان احادیث مبارکہ کے مفہوم میں آئے گا جن میں سب و شتم کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ بہت سے مردوں عورت غصہ میں آ کر آپس میں ایکدوسرے کو کافر یا فاسق کہہ دیتے ہیں، یاد رہے کہ اس کا وابی بہت زیادہ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آپس میں یوں نہ کہو کہ تجھ پر اللہ کی لعنت ہو اور نہ ایک دوسرے کو یوں کہو کہ تجھ پر اللہ کا غصب نازل ہو اور نہ یوں کہو کہ تو دوزخ میں جائے۔

دوسری بات جس پر حدیث مبارکہ میں ممانعت وارد ہوئی ہے وہ مسلمان کا قتل کرنا ہے اور یہ ایسا گناہ ہے جو ناقابلِ خلافی نقصان ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر آسمان وزمین والے سب مل کر کسی مومن کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کو ضرور اوندھے منہ دوزخ میں داخل کرے گا۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص نے کسی مومن کے قتل میں ذرا سے کلمہ کے ذریعے بھی مدد کی تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان میں لکھا ہو گا، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نامید ہے۔ حضرت ابوورداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر گناہ کے پارے میں امید ہے کہ باری تعالیٰ اس کو معاف فرمادیں گے سوائے اس شخص کے جو مشرک ہو کر مرے یا وہ شخص جو کسی کو قصد اقتل کرے۔ (مشکوٰۃ)

## انعاماتِ خداوندی اور ہماری ناشکری

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَذَ الْفَلَحَ مَنْ أَسْلَمَ وَرَزِقَ كَفَافًا وَقَنْعَةً اللَّهُ بِمَا أَنْتَأَهُ.

فرما یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ شخص کامیاب ہے جو اسلام لایا اور جس کو بقدر کفایت رزق مل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی روزی پر قیامت دے دی۔ (مسلم)

انسان بہت ناشکرا ہے۔ کسی بھی حالت میں خوش نہیں رہتا۔ حدیث مبارکہ میں اس شخص کو کامیاب فرمایا جو اسلام لانے کے بعد اپنی روزی پر قیامت ہو گیا۔ لیکن انسان کی بھی عجیب خصلت ہے۔ اگر غریب ہے تو امیر ہونے کے خواب دیکھے گا۔ اگر امیر ہے تو اور زیادہ میپے کمانے کے خواب دیکھے گا۔ اگر موٹا ہے تو پتلا ہونے کی کوشش کرے گا۔ اگر پتلا ہے تو موٹا ہونے کی آرزو میں رہے گا۔ سردی ہوتی ہے تو بھی شکایت کرے گا، گری ہوتی بھی شکایت کرے گا۔ غرض جو بھی حالت ہو کسی کیفیت میں خوش نہیں رہتا۔

اللہ عز وجل نے انسان کے اوپر اتنے انعامات کئے ہیں کہ ان کا شمار ہمارے بس کی بات نہیں۔ لیکن انسان کے اوپر جب ایک معمولی ہی مصیبت آتی ہے تو وہ سارے احسانات بھلا کر شکوئے کرنے لگ جاتا ہے۔ حالانکہ وہ نہیں دیکھتا کہ اتنے انعامات و احسانات کے بدالے اگر یہ مصیبت آتی ہے تو اس پر صبر کرنا چاہئے اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ عز وجل نے مجھے کیا کیا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے پر مصیبت لاتے ہیں تو اس کے بہت سے مقاصد ہوتے ہیں۔ یا تو اس بندے کے گناہ کم کرنا مقصود ہوتا ہے یا اس کے اوپر جو بڑی آفت آنے والی ہوتی ہے اس کو اس جھوٹی مصیبت سے ٹال دیتے ہیں یا جب اللہ عز وجل کسی بندے کے درجات کو بلند کرنا چاہتا ہے تو اس کو مصالibus میں بٹلا کر دیتے ہیں۔ ہم دن رات بے شمار نافرمانیاں کرتے رہتے ہیں، نمازیں ہم نہیں پڑھتے اور جو پڑھتے ہیں تو بس جان چھڑانے کی کوشش ہوتی ہے۔ زکوٰۃ ہم نہیں دیتے اور جب دیتے ہیں تو اس میں بھی دھکوا و مقصود ہوتا ہے۔ حج ہم نہیں ادا کرتے لیکن جب ادا کر لیتے ہیں تو ہر مجلس میں اس کا چرچا کرنا اور اپنے آپ کو حاجی صاحب کہلوانا ہمارا پسندیدہ مشغله بن جاتا ہے۔ صدقہ بھی بھول کر بھی نہیں دیتے اگر کسی کو دیتے ہیں تو پوری زندگی اس غریب کے اوپر احسانات جتنا تر رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کون سا گناہ ہے جو ہم سے نہ ہو رہا ہو؟ زنا، غیبت، چوری، بدنظری، سود، بے جاتقید، لکھتے چینی، حسد، بغض، دوسروں کو تک کرنا وغیرہ ان تمام گناہوں کے باوجود پھر بھی ہم ٹکوہ کنائیں ہیں کہ گھر کے حالات خراب ہیں، رشتہ نہیں مل رہا، برکت نہیں ہے، بیماریاں بہت زیادہ ہیں، سکون نہیں ہے، وغیرہ۔ ان چیزوں کا سبب ہمارے اپنے اعمال ہیں۔ ہمارے اعمال صحیح نہیں ہوں گے تو یہ مصیبتوں آفتین تو ہم پر آئیں گی۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنے رب سے معافی مانگ لیں اس کی نافرمانیاں چھوڑ کر اس کی شکرگزاری اور اطاعت میں اپنی زندگیاں ڈھالنا شروع کر دیں۔

## اپنے ایمان کی حفاظت کیجئے

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يُؤْشِكُ أَنْ يَكُونُ خَيْرُ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنْمًا  
يُئْتِيْعُ بِهَا شَعْفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَقْرُبُ بِدِينِهِ مِنَ الْفَقْنِ . (بخاری)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ وہ زمانہ قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی، جن کے پیچھے پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش کے مقامات میں وہ اپنادین فتنوں سے بچاتے ہوئے بھاگتا پھرے گا۔

یہاں حدیث میں ”فتن“ سے مراد عرف شرع میں یہ ہے کہ دینی امور کی خالفت عام ہو جائے اور دین کی حفاظت مشکل ہو جائے اور حفاظت دین کے اسہاب اور ذرائع متفقہ ہو جائیں تو تکزیروں کا جائز ہے کہ وہ دین کی حفاظت کی ناطر باہر نکل بھاگیں۔

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نیک کام کرنے میں جلدی کرو اس سے پہلے کہ وہ فتنے ظاہر ہو جائیں جو تاریک رات کے ٹکڑوں کی مانند ہوں گے۔ (اور ان فتنوں کا یہ اثر ہوگا) کہ انسان صح کو ایمان کی حالت میں اٹھے گا اور شام کو کافر بن جائے گا۔ اور شام کو مومین ہو گا تو صح کو کفر کی حالت میں اٹھے گا۔ نیز وہ اپنے دین اور مذہب کو دنیا کے تھوڑے سے نفع کے عوض میں بیچ ڈالے گا۔ (مسلم)

اس حدیث مبارکہ میں کفر سے کیا مراد ہے۔ علمائے امت نے اس کی مختلف صورتیں پیان فرمائی ہیں۔ مثلاً (۱) ممکن ہے کہ اصل کفر مراد ہو یعنی وہ شخص واقعتاً کافر ہو جائے۔ (۲) کفر ان نعمت (یعنی ناشکری) کرنے والا بن جائے گا (۳) وہ کافروں کی مشاہدہ اختیار کرے گا (۴) وہ ایسے کام کرے گا جو کافر ہی کیا کرتے ہیں۔ علاوه اس کے آج اس وقت الیکٹریس ایک اور پرنٹ میڈیا پر پوری سانچوں میں داخل کر مندرجہ تبلیغ تحقیق پر فائز ہونے والے ڈاکٹرز، سکالرز، پروفیسرز اور دانشوروں دن رات امت مسلمہ کے ایمانوں سے کھیلنے میں مصروف ہیں۔ دن بھر کا تحکماہارا مزدور رات کو اپنے گھر میں محض تفریح کی خاطر ہی وی چلاتا ہے جس پر کوئی نہ ہبی پروگرام شر ہو رہا ہوتا ہے۔ جس پروگرام میں مندرجہ بالا نام نہاد علا میں دین کے نام پر دین میں رخنہ اندازی کرتے نظر آتے ہیں۔ اور یہ بے چارہ سیدھا سادہ مسلمان ان نام نہاد سکالرز، ڈاکٹرز کی بے دینی کو دین سمجھ کر قول کر لیتا ہے اور کفر کو دین سمجھنے کے ساتھ ہی صح کا مومین شام کو ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ (اعاذنا اللہ من شرورهم)

موجودہ دور جس سے ہم گزر رہے ہیں اگر اسے ام الفتنه کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔ لہذا ان فتنوں سے پہلے ہی نیک کام کر کے اپنے ایمان کو مضبوط بنا لیجئے۔ یہ دور فتنوں کا دور ہے اللہ تعالیٰ فتنے کے اس دور میں ہمیں اپنی حفظ و امان میں رکھے اور ہر قسم کے ظاہری و باطنی فتنوں سے محفوظ فرمائے۔ (آمین)

## امن و سلامتی

قَالَ الرَّبِيعُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِيمٌ الْمُسْلِمُونَ مَنْ لَسَانِهِ وَيَدُهُ . فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان توہینی ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ایڈا سے مسلمان محفوظ رہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ ایک سچا مسلمان ہمیشہ تقویٰ کے مقام پر رہتا ہے۔ جس کے معنی ہیں خدا کا خوف، اختیاط اور برائیوں سے بچتا۔ انسانی زندگی کا احترام اس حدیث مبارکہ میں جس عجیب و موثر پیارے میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اس تک دنیا کا بڑے سے بڑا مصلح اور امن کا علم بردار نہیں پہنچ سکتا۔

امن و امان روئے زمین پر انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ امن نہیں تو نہ عالم انسانیت کی ارتقا کا عمل جاری رہ سکتا ہے نہ معاشرتی زندگی کی بقا۔ ہر انسانی تحقیق و ترقی کا وجود امن و سلامتی اور سکون سے ہے۔ اگر سکون ہی میسر نہیں تو فکری اور عملی ترقی کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اسلام ایک متحرک دین ہے۔ اس لئے امن کا سب سے بڑا علم بردار ہے۔

اسلام جو ایک آفاقتی مذہب ہے۔ اس پہلو پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے کہ معاشرے میں امن و سکون رہے تاکہ لوگوں کی سوچ متحرک ہو۔ اور ترقی کے راستے سامنے آئیں۔ اس لئے دین کی نیاد اللہ تعالیٰ سے جڑے رہنے اور تقویٰ یعنی پاکیزہ زندگی پر قائم ہے جو اسلام کی پہلی سیرہ ہے۔

ایمان اسلام اور سلام ملاقات کے الفاظ میں امن و سلامتی کا ہونا ہی اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اس مذہب کے خمیر میں ہی ”امن و سلامتی“ شامل ہے۔ کیونکہ یہی چیز ایک دین کی ظاہری علامت ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مندرجہ بالا ارشاد گرامی ایک مومن یعنی ایمان والے شخص کی مزاجی کیفیت اور عوی نسیمات کو ظاہر کرتا ہے۔

دنیا میں جیئے کا اصول ہی یہی ہے کہ آدمی انتہائی محتاج ہو کر ہر قسم کی برائی گناہ اور نزاع و جھگڑے سے اپنا امن بچائے رکھے۔ یہی مతقی آدمی کی پیچان ہے۔ اور یہی سب کیلئے امن و سلامتی کا راستہ ہے۔ اسلام نفرت کا نہیں پیار کا مذہب ہے۔ اسلام ایک نظام خداوندی ہے جو سارے عالم کو اپنی تنوری سے منور کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ اشاعت و تبلیغ اسلام سے زیادہ امن عالم کا نقیب اور کون ہو سکتا ہے؟

آج کا انسان اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد ہی کو شغل راہ ہنالے تو دنیا کی کایا پلٹ جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسلام و تقویٰ کی حقیقت پوچھی گئی تو بے ساختہ ارشاد فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم کی تعظیم اور اس کی حقوق کے ساتھ شفقت۔ ایک ارشاد میں فرمایا: جو شخص حلال روزی کھائے، میری سنت پر عمل کرے اور کسی بھی انسان کو اپنے عمل سے تکلیف نہ دے وہ جنتی ہے۔

## پر سکون زندگی کیسے حاصل ہو؟

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلَكِنَّ الْغِنَى  
غِنَى النَّفْسِ۔ (متقن علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال و اسباب کی بہتان سے غنا نہیں ہوتا بلکہ غنادل کی بے پرواںی کا نام ہے۔

دنیا کی ساز و سامان کی کثرت سے آدمی آسودہ نہیں ہوتا۔ آسودہ حال و شخص ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے مطمئن کر دیا ہے خواہ سامان دنیا کی بہتان نہ بھی ہو۔ انسان کی فطری خواہش یہ رہی ہے کہ وہ اس دنیا کو بھی جنت بنائے۔ یعنی اس کی دنیا کی زندگی بھی آرام و آسائش سے گزرے۔ بظاہر دنیا کے مسائل و آلام میں یہ ممکن نظر نہیں آتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بھی ایک ایسی صورت پیدا کر دی ہے کہ وہ انسان اس دنیا میں اگر چاہے تو تمام مسائل و مشکلات کے باوجود راحت بھری اور پر سکون زندگی گزار سکتا ہے۔ وہ چاہے تو اس دنیا میں بھی اپنی زندگی سے لطف اٹھا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا بہت ہی آسان طریقہ قرآن کریم میں ذکر فرمایا: لَا يَدْخُلُ اللَّهُ تَطْمُنُ الْقُلُوبُ۔ کہ دلوں کا اطمینان تو صرف اللہ کے ذکر میں ہے۔ مال و اسباب کے بہتان سے نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں جس راحت اور تکلیف کی بات کرتا ہے وہ ایک اضافی شے ہے۔ آدمی کی غلط فہمی یہ ہے کہ وہ اس دنیا کی ظاہری چیزوں میں اپنے دل کا سکون تلاش کر رہا ہے۔ بھی اعلیٰ تعلیم کے نام پر، بھی پیشہ و رانہ ترقی کے نام پر خود کو کھپار رہا ہے۔ پونکہ سوچ اور پھر اس سوچ کی بیان پر محنت کار خیال غلط ہے۔ لہذا آدمی جتنا زیادہ خود کو کھپار رہا ہے اتنا ہی سکون و اطمینان سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ آدمی کے پاس جتنا بھی برا عہدہ آجائے، یا دولت کی جتنی بھی فراؤنی ہو جائے۔ اگر اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اس کی یاد نہ ہو تو وہ ہر گز رتے دن کے ساتھ رفتہ رفتہ کھمکش، کرب، تنا و اور خفشار و انتشار کا شکار ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کی زندگی ہر دنیاوی ترقی کے ہوتے ہوئے بھی ابتر ہوتی چلی جاتی ہے۔ وہ زندگی جس کو آرام دہ بنانے کیلئے وہ دن رات محنت کرتا ہے، آہستہ آہستہ اس کیلئے وبال جان بیٹی چلی جاتی ہے۔ اس لئے کہ اس نے دنیا میں سکون حاصل کرنے کیلئے اس قانون الہی کو پورا نہیں کیا۔ جس کا تقاضا پیدا کرنے والے نے کیا ہے۔ دیکھا جائے تو اس وقت انسانیت کا سب سے بڑا مسئلہ اسی سکون کا فقدان ہے۔ اسی کیلئے ساری تگ و دو ہے۔ نت نئے ڈھنگ اختیار کئے جا رہے ہیں۔ لیکن کیا ان سب کوششوں سے دل کا وہ سکون جو اللہ کے ذکر میں ہے، حاصل کیا جا سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ایسا ممکن نہیں۔ تو پھر کیوں؟ اپنی محنت اور تو انہی کو اس جگہ صرف کیا جائے جو زیادہ نتیجہ خیز ہو اور ہماری زندگی بھی پر سکون زندگی بن جائے۔ یہیں اس زندگی میں سکون و راحت میسر آجائے۔ اس کا راستہ صرف اور صرف یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور ذکر سے جوڑ رکھیں۔

## ہماری غفلت والی زندگی

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَهُرَمُ ابْنُ آدَمَ وَيَشْبُثُ مِنْهُ النَّانِ الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمُرِ۔ (تفہیم علیہ)

فرمایا: رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جوں جوں انسان بوڑھا ہوتا ہے توں توں دو چیزیں اس کی جوان ہوتی ہیں۔ مال کی حرص اور عمر کی حرص۔

مال اور عمر کی حرص انسان کو فکر عاقبت سے غافل بنانے والی ہے۔ شیطان چاہتا ہے کہ انسان غافل رہے۔ یہاں تک کہ پیغام موت آجائے۔ مسلمان کو چاہئے کہ بڑھاپے میں موت کو زیادہ یاد کرے اور زاد راہ آخرت کی فکر کرے۔

امت کے جوان بوڑھے، بچے عورتیں غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ہر ایک شخص کے زندگی میں آ کر غفلت والی زندگی گزار رہے ہیں۔

غفلت زدہ آدمی بے کار اور بے سود امور میں اپنی زندگی کے ثقیل ماحات کو ضائع کرتا ہے جس کا کل قیامت کے دن حساب دینا ہے۔ ہم اپنے معاشرہ اور دنیا کے حالات پر نظر ڈالیں کی آج ضایع وقت میں کیا اہلا ہے؟ کیا خاص، کیا عام، کیا طلبہ، کیا ساتھ، کیا عوام، کیا سائنس و ان، کیا تعلیم یا فتنہ سب ہی اس بیماری میں شریک ہیں۔ کوئی غیبت میں، کوئی کھیل کوڈ میں، کوئی گپ شپ میں، کوئی موبائل پر، کوئی ٹی وی پر، کوئی ایمنیٹ پر، کوئی چورا ہوں پر، کوئی بازاروں میں، کوئی تفریخ گاہوں میں، کوئی سڑکوں پر اپنی زندگی کے ثقیل ماحات ضائع کر رہا ہے۔ مگر اسے احساس بھی نہیں کہ اسی کو غفلت کہتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ایک انسان کے اسلام کی خوبی اس میں ہے کہ وہ غیر مفید چیزوں کو چھوڑ دے۔

آج ہم میں سے ہر ایک اپنے گریبان میں جھانکے اور دیکھے کہ وہ کتنی سستی کرتا ہے۔ نہ نماز پڑھنا، نہ روزہ، نہ زکوٰۃ، نہ حج، نہ تلاوت نہ ذکر، ہر عبادت کے کرنے میں ہمیں سستی آتی ہے۔ یہ غفلت کی علامت ہے۔ لہذا ہمیں پوری تندیسی اور جیسی کے ساتھ عبادت کی کوشش کرنی چاہئے۔ فراپش کا اہتمام کریں، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، قربانی وغیرہ اور منتوں کو زندہ کریں۔ انشاء اللہ دنیا و آخرت میں عزت و رفتہ ہمارا مقدر بن جائے گی۔ مگر اخلاص کو ضرور پیش نظر رکھیں۔ ریا کاری سے مکمل احتساب کریں۔ ورنہ اس کے عکس قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی ایک صفت یہ بھی بیان کی ہے کہ وہ جب نماز پڑھنے کیلئے ہمڑے ہوتے ہیں تو سستی اور نکاسل سے پڑھتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں غفلت کی زندگی سے نکال کر آخرت کی تیاری کرنے کی فکر ہمارے دلوں میں ڈال دے۔ (آمین ثم آمین)

## برے لوگوں سے دوستی کے نقصانات

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَا تُصَاحِبُ إِلَّا مُؤْمِنًا . (ترمذی)

فرمایا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومن مسلمان کے سوا کسی کو دوست منت بنا۔ ایک حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ پس تم خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو کہ کس سے دوستی کر رہے ہو۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک برے لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہیں۔ جن کا مشغله وقت جیسی قیمتی شے کو ضائع کرنا اور ایسے اعمال میں مشغول ہونا ہے جو قیامت کے دن حسرت و ندامت اور عذاب کا سبب بنیں گے۔ ایسے لوگوں سے دوستی رکھنا یا ان کے ساتھ بغیر کسی مجبوری کے امتحنا بیٹھنا بڑے خمارے کی بات ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے ساتھ بیٹھنے والے کو بھی برائی کی طرف بلاتے ہیں۔ اور گناہوں کی دعوت دیتے ہیں۔☆ ان کی دوستی کا ایک نقصان تو یہ ہے کہ برآدمی دین کے بارے میں ٹھکوک و شبہات پیدا کرتا ہے اور اسلامی شعائر کا مصدق اڑاتا ہے جس کی وجہ سے پاس بیٹھنے والے کے دل سے بھی دین کی عظمت ختم ہوتی چلی جاتی ہے اور آدمی صحیح عقیدہ سے مخرف ہو جاتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے: اور جس روز ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹئے گا اور کہے گا کہ کاش میں رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ عالی اختیار کر لیتا، کاش میں فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بناتا، بے شک اس نے مجھے ذکر سے (یعنی حق کے راستے سے) ہٹا دیا۔ اس کے بعد حق کا پیغام مجھے پہنچ چکا تھا اور شیطان انسان کو رسوایا کرنے والا ہے۔ (قرآن ۲۷:۲۹)☆ دوسرے نقصان یہ ہے کہ برے لوگ خود تو گناہوں میں لٹ پت رہتے ہی ہیں اپنے ساتھ بیٹھنے والوں کو بھی گناہوں کی دعوت دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ نیک و پرہیز گاراً دی کو گناہوں کی گندگی میں بٹلا کر کے خوش ہوتے ہیں۔☆ تیسرا نقصان یہ ہے کہ انسان جن لوگوں کی محبت اختیار کرتا ہے ان کے اخلاق و عادات کا اثر اس کی شخصیت پر ضرور پڑتا ہے۔ مندرجہ بالا حدیث کے مصدق "انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے"☆ چوتھا نقصان برے لوگوں کو گناہوں میں غافل دیکھ کر معصیت کی طرف رفتہ رفتہ ہوتی ہے۔☆ پانچواں نقصان یہ ہے کہ انسان ایک برے آدمی سے دوستی کرتا ہے تو وہ اسے اپنے جیسے دل برے لوگوں سے ملاتا ہے جو اس سے بھی زیادہ گمراہ اور دین سے بیزار ہوتے ہیں۔☆ چھٹا نقصان برآدمی تمہیں غلطیوں پر ٹوکنے کی بجائے تمہاری حوصلہ افزائی کرے گا۔ ساٹواں نقصان ایسے لوگ برے مطہی ہوتے ہیں اگر کہیں تمہیں ان کی ضرورت پڑے گی تو ہر گز تمہاری مدد نہ کریں گے۔☆ آٹھواں نقصان ان کی جملیں غیبت، بہتان اور گالم گلوچ سے خالی نہیں ہوتیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو اپنا فرمائیں بردار بنا لے اور صاحبین کی رفاقت دنوں جہاںوں میں نصیب فرمائے۔ اور ہم سب کو اعمال بد سے محفوظ و مامون رکھے۔ (آمین ثم آمین)

## بلند فکری و بلند همتی

قَالَ الرَّبِيعُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ النَّاسِ الْفَعَلُهُمُ لِلنَّاسِ .

فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے: بہترین انسان وہ ہے جو انسانوں کے لئے زیادہ فتح رساں ہو۔ اللہ رب العزت کا جتنا بھی ہم شکر ادا کریں کم ہے کہ اس نے ہمیں ایمان اور علم کی دولت سے اور خاص طور پر علم دین کی دولت سے مالا مال کیا۔ اچھے انسان کی ہمیشہ یہ آرزو اور تمنا ہوا کرتی ہے کہ وہ دنیا میں کوئی ایسا کام کر جائے جس کے کرنے سے یہاں سے چلے جانے کے بعد یعنی مرنے کے بعد بھی دنیا سے یاد کرتی رہے۔ یہ تمنا اور آرزو کوئی غلط چیز نہیں ہے کیونکہ جب قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کارنا موں کا تذکرہ کیا تو ان کے کارنا موں کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ نے ان کے ساتھ ایک انعام اور ایک وعدہ بھی کیا کہ ہم آپ کے بعد آپ کا ذکر خیر چھوڑیں گے۔ کہ دنیا میں لوگ آپ کو بھلائی سے یاد کرتے رہیں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ہر زمانہ میں سنت اللہ یہ رہی ہے۔ بہر حال کچھ لوگ ضرور ایسے ہوا کرتے ہیں جو انہی اعلیٰ عظیم کارنا موں کو انجام دینے کی وجہ سے اپنی زندگی میں بھی یاد کئے جاتے ہیں اور اپنے مرنے کے بعد بھی وہ اپنے پیچھے ذکر خیر چھوڑ جاتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر انسان دنیا میں اپنا ذکر خیر چھوڑ نے کیلئے کون سی صورت اپنائے، کون ساطریقت اختیار کرے۔ اس سلسلے میں قرآن کریم ہماری بھروسہ بہمنی کرتا ہے۔ ارشاد ہے: وَأَذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولَى الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارَ۔ ہمارے بندوں میں سے ابراہیم و اسحاق و یعقوب کو، جو دو اہم صفات کے حامل تھے۔ ایک یہ کہ وہ صاحب علم و بصیرت تھے اور دوسرا یہ کہ وہ بلند ہمتی اور جو ان مردی سے متصف تھے۔ انسان میں اگر یہ دو صفت پائے جائیں تو انسان ترقی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ بہر کیف ان قدسی صفات بزرگوں کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ صاحب علم و بصیرت تھے۔ لہذا انسان میں پہلی چیز علم اور بصیرت کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ حق اور باطل، خیر و شر، حلال اور حرام، جائز و ناجائز میں تمیز کر سکے۔ اور اسے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ چیز حق ہے اور یہ چیز باطل اور یہ چیز خیر ہے اور یہ چیز شر، یہ چیز مفید ہے اور یہ چیز مضر۔ اس چیز کا دنیا میں یہ فائدہ ہو سکتا ہے اور یہ نقصان۔ دوسری صفت جو بیان ہوئی وہ بلند فکری اور بلند ہمتی کے مالک تھے۔ مطلب یہ کہ ایک آدمی کو حق اور باطل کا علم ہے، وہ حق اور باطل اور شر و خیر میں تمیز کرتا ہے اس کے انجام بد اور انجام خیر کو جانتا ہے۔ مگر ساتھ ہتی ایسی ہمت و طاقت کا ہونا ضروری ہے کہ جس ہمت اور طاقت کے مل بوتے پر کیسے ہتی حالات اس پر آجائیں وہ حق کو حق جان کر حق نافذ کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور یہی بہترین انسان ہو گا اور لوگوں کیلئے فتح رساں ہو گا۔ آج مسلمانوں کو بالخصوص علماء اور مدارس کے طلباء کو اس چیز کی نہایت ضرورت ہے کہ وہ سستی اور غفلت کا شکار نہ ہوں۔

## مسواک کی فضیلت

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ الْمَسَاكُ مَطْهَرَةٌ لِّلْفَمِ مَرْضَاتٌ لِّلرَّبِّ . فرمایا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے: مسوک منہ کو بہت زیادہ پاک و صاف کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ خوش کرنے والی چیز ہے۔ (مسنون نسائی)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حسن دو طرح کا ہے۔ ایک یہ کہ وہ دنیاوی زندگی کے لحاظ سے فائدہ مند اور عام انسانوں کے نزدیک پسندیدہ ہو اور دوسرا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محظوظ اور اجر انحرافی کا وسیلہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں بتالیا کہ مسوک میں یہ دونوں چیزیں ہیں۔ اس سے منہ کی صفائی ہوتی ہے، گندے اور مضر مادے خارج ہوتے ہیں اور منہ کی بدبوzaں ہو جاتی ہے۔ اور دوسرا فائدہ اور نفع یہ ہے کہ مسوک اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا بھی خاص ذریعہ ہے۔

طہارت و نظافت کے سلسلہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن چیزوں پر خاص طور سے زور دیا اور بڑی تاکید فرمائی ہے ان میں سے ایک مسوک بھی ہے۔ اس کے علاوہ مسوک کے جو طبعی فوائد ہیں اور بہت سے امراض سے اس کی وجہ سے جو تحفظ ہوتا ہے، ہر صاحب شعور اس سے کچھ نہ کچھ واقف ہے۔ لیکن دنیٰ نقطہ نگاہ سے اس کی اصل اہمیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ راضی کرنے والا عمل ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت پر بہت مشقت پڑ جائے گی تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسوک کرنے کا حقیقی حکم کرتا۔ (صحیح بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ دن یا رات میں جب بھی آپ سوتے تو اٹھنے کے بعد وضو کرنے سے پہلے مسوک ضرور فرماتے۔ (سنن ابی داؤد)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب کسی عالیشان دربار میں جانا ہو تو پہلے ظاہر شکل و شباہت کا سنوارنا اور دانتوں کو صاف کرنا بڑا ضروری ہے۔ کیونکہ بات چیخت کرتے وقت دانتوں کی زردی اور میل پر نظر پڑنے سے ہر سلیم الفطرت کو نفرت ہوتی ہے۔ تو احکام المأکیمین سے بڑھ کر کس کا دربار عالیشان ہو سکتا ہے۔ اس وجہ سے نماز پڑھنے سے پہلے جیسے دیگر گند گیوں، میل پکیل صاف کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے ایسے ہی دانتوں کے میل اور منہ کی بد یا کودور کرنا بھی مستحسن ہے۔ بھی وجہ ہے کہ نماز سے پہلے مسوک کا حکم دیا گیا ہے۔ ان احکام پر عمل کرنے سے جسمانی فوائد کے علاوہ اخروی اجر و ثواب بھی ملتا ہے۔ یا اللہ! ہمیں اپنے محبوب کی اس محبوب سنت پر عمل کی توفیق عطا فرمادیں۔ (آمین ثم آمین)

## وضو کے فضائل و احکام

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَاضَأَ فَإِحْسَنَ الْوُضُوءَ خَرَجَ حَطَّا يَاهُ مِنْ جَسَدِهِ حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ تَخْتَ اَطْفَارِهِ۔ (متقن عليه)

فرمایا: رسول اللہ! صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے جس نے وضو کیا اور عمرہ وضو کیا تو اس کے جسم سے گناہ کل جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی۔

بدن کے اعضاء اللہ تعالیٰ کی مریضی کے خلاف صرف کرنے کا نام گناہ ہے۔ جو شخص اپنے اعضاء کو اس لئے دھورتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف فرمائے، یہ ایک لحاظ سے عملی طور پر قربہ کر رہا ہے۔ شریعت کا قانون ہے کہ وقت موت سے پہلے ہر شخص کی قوبہ قبول ہو جاتی ہے۔ الہذا وضو کرنے والے کے سارے گناہ کبائر کے سوا معاف ہو جائیں گے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ! صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: جو کوئی تم میں سے وضو کرے (اور پورے آداب کے ساتھ خوب اچھی طرح) اور مکمل وضو کرے پھر وضو کے بعد کہے: اَشْهَدُ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ، وَرَسُولُهُ، تو لازمی طور پر اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جائیں گے۔ وہ جس دروازے سے بھی چاہے گا جنت میں جا سکے گا۔ (صحیح مسلم) ترمذی کی روایت میں اللہُمَّ اخْعُلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُنْتَهَرِينَ کا بھی اضافہ ہے۔ اس لئے ملکہ شہادت کے بعد اس کو بھی پڑھ لینا چاہئے۔

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مکمل وضو کا اہتمام بخوبی ایمان میں سے ہے اور ناقص وضو سے نماز میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ وضو کو مکمل سیکھ لیا جائے اور ہر قسم کے ققص سے بچنے کی کوشش کی جائے۔ اس سلسلہ میں وضو کے متعلق ضروری شرعی احکام کچھ یہ ہیں: وضو میں چار فرض ہیں: (۱) تمام چہرے کا دھونا (۲) دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا (۳) چوتھائی سر کا مسح کرنا (۴) پاؤں میخنوں سمیت دھونا۔ وضو میں پورے چہرے کا دھونا فرض ہے اور اس میں ڈاڑھی بھی شامل ہے۔ وضو کی سیتیں یہ ہیں۔ (۱) نیت کرنا (۲) ہاتھوں کا پہنچپوں تک دھونا (۳) ابتدائے وضو میں بسم اللہ الرحمن الرحيم پڑھنا (۴) مساوک کرنا (۵) کلی کرنا (۶) ناک میں پانی ڈالنا (۷) ڈاڑھی اور اگلیوں کا خلال کرنا (۸) ہر عضو کو تین بار دھونا (۹) اسی ترتیب سے وضو کرنا جس ترتیب سے قرآن میں مذکور ہے (۱۰) تمام سر کا مسح کرنا (۱۱) اعضاء و خصوصیات کا تار دھونا (۱۲) سر کے پانی کے ساتھ ہی کاںوں کا مسح کرنا۔ (معین ہاتھ پر پانی ڈال کر جب سر پر مسح کیا جائے تو اسی ہاتھ سے کاںوں کا مسح کیا جائے۔ کاںوں کے مسح کیلئے الگ سے پانی کی ضرورت نہیں۔ حضرت مسیح موعید رحمہ اللہ فرماتے ہیں وضوانان کو ظاہری و باطنی گناہوں سے اور غفلت ترک کرنے پر آگاہ کرتا ہے۔ اگر نماز بغیر وضو کے پڑھنی جائز ہوتی تو انسان اسی طرح پر وہ غفلت میں سرشار رہتا اور غافلہ نماز میں داخل ہو جاتا۔ انسان دنیا وی ہجوم و مشاغل میں پڑکر نشیلے آدمی کی طرح ہو جاتا ہے۔ الہذا اس نہیں غفلت کو اتارنے کیلئے وضو مقرر ہوتا کہ انسان باخبر اور باحضور ہو کر خدا کے آگے کھڑا ہو۔

## انسان کے اسلام کی خوبی

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمُرْءِ تَرْكُهُ، مَا لَا يَعْتَبِيهُ . فرمایا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے: ایک انسان کے اسلام کی خوبی اس میں ہے کہ وہ غیر مفید چیزوں کو چھوڑ دے۔

حدیث مبارکہ میں غیر اہم امور اور غیر ضروری اور ناقابل عمل کاموں اور غیر مفید کاموں کو چھوڑ دینے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ تاکہ وقت ضائع کرنے والے افعال کا تعلیم کر کے انکا سد باب کر سکیں۔ کیونکہ وقت زندگی ہے، وقت وہ چیز ہے جس کی قسم اللہ نے اپنے پاک کلام میں کھائی ہے۔ وقت کا بہتر استعمال، وقت کی منصوبہ بندی ہمارے اہداف کو ممکن بنتا تھا۔ کسی دانا کا کہنا ہے جو شخص کامیابی کی منصوبہ بندی نہیں کرتا وہ دراصل ناکامی کی منصوبہ بندی کر رہا ہوتا ہے۔ وقت کا بہترین استعمال ایک فن ہے۔ نظم و ضبط کی صفات سے متصف افراد وقت کی منصوبہ بندی کر کے چھوڑ دے وقت میں ڈھیروں کام انجام دے دیتے ہیں۔ اگر ہم بھی اپنے کاموں کی درجہ بندی مندرجہ ذیل تین حصوں کے حساب سے کریں تو وقت کے ضیاع کو بڑی حد تک روکا جاسکتا ہے۔

(۱) پہلے حصے میں وہ کام رکھے جائیں جو فوری اہمیت کے حامل ہوں۔ (۲) دوسرے حصے میں ایسے اہداف ہوں جو اہم تو ہوں مگر فوری اہمیت کے حامل نہ ہوں۔ (۳) تیسرا حصے میں وہ کام جو نہ اہمیت کے حامل ہوں اور نہ ہی فوری توجہ کے مقاصدی۔ اس طرح اہداف کی تقسیم و تفہیم کے نتیجے میں ہمارے اوقات ضائع ہونے سے بچ سکتے ہیں اور غیر مفید امور کا تعلیم کر کے ان کا سد باب بھی کر سکتے ہیں۔ اور اس طرح ہم ضروری اور اہم کاموں کو فرصت کے لمحات کیلئے اخخار کرنے کی روشن سے بھی باز رہ سکتے ہیں۔ وقت کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے سالانہ تقویم (کیلندر) کاموں کی فہرست اور تنیہات (الارم) کے بھی بہت اہمیت ہے اور یہ سہولت آج کل ہر شخص کو موبائل میں بھی حاصل ہے۔ اسی طرح یاد ہانی سے ہم تمام طے کردہ اہداف بر وقت مکمل کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح آہستہ آہستہ وقت کی منصوبہ بندی اور اس کے بہترین استعمال کا مرحلہ ہمارے لئے آسان ہو جاتا ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ وقت کی منصوبہ بندی، اس کی بچت کے بہترین استعمال کیلئے تمام ذرائع اختیار کرنے کے بعد خالی اوقات سے غیر مفید چیزوں کو چھوڑ نے اور اپنے تمام اہداف کی تکمیل کیلئے دعا ضرور مانگنی چاہئے۔ کیونکہ اللہ کی مدد و نصرت ہی سے ہم لائیں کاموں کو چھوڑ سکتے ہیں اور ہمارے اوقات ضائع ہونے سے بچ سکتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اس حدیث مبارکہ پر عمل کرنے کی توفیق دیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی محبت عطا فرمادیں۔ (آمین ثم آمین)

## اسراف اور فضول خرچی سے پرہیز

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ كُلُّوَا وَأَشَرَبُوا وَلَتَصَدِّقُوا وَالْبُسُوْا مَالَمْ يُخَالِطُ إِسْرَافٍ وَلَا مُخْيَلَةً۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو چاہو کھاؤ، پیو، خیرات کرو اور پہنوجب تک اس میں دو چیزوں نہ ہوں ایک اسراف دوسرا نکبر۔

اسراف کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی استطاعت اور ضرورت سے زائد خرچ کرے، جسے ہم فضول خرچی بھی کہتے ہیں۔ یعنی یہ وہ چیز ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس ارشاد گرامی میں منع فرمایا کہ تم جو چاہو کھاؤ، اور جو چاہو پہنوجیں ان میں دو باقی نہ ہوں ایک اسراف یعنی فضول خرچی اور دوسرا نیز نکبر۔ اس وقت مسلمان جن رسوائیں حالات سے دوچار ہیں۔ ان میں دوسری بہت سی اخلاقی اور سماجی خرابیوں کے ساتھ اس کا بھی دلیل ہے کہ وہ اپنے ذاتی معاملات اور اپنی دلچسپی کے دائرے میں اسراف و فضول خرچی، شہرت و عزت کے حصول یا رسم و رواج کی پابندی میں تو بے دریغ روپے خرچ کرتے ہیں۔ لیکن عزیز دوں پر پیسوں اور ملٹ کے فقر و فاقہ اور ان کے قابل رحم حالات کی طرف نگاہ تک نہیں اٹھاتے۔ ایسے حالات میں جب کہ امت کے بے شمار لوگ بھوک و پیاس کی بھی میں جل رہے ہوں، بیمار ہوں، ان کے پاس دو اواعلاج کیلئے میں نہ ہوں، تن ڈھکنے کیلئے لباس تک نہ ہو۔ محض اپنی ناموری اور شہرت کی خاطر ترقیات میں پانی کی طرح روپے بہانا، رزق دینے والے مالک و کار ساز عالم و کیسے پسند آسکتا ہے؟ اس لئے دیکھنے میں آتا ہے کہ ان سب باتوں کی خوبست کے سبب مختلف شکلوں میں جانی و مالی نقصان ہوتا ہے۔ مگر اونھر خیال تک نہیں جاتا۔

حیرت ہوتی ہے کہ بہت سے دین دار حضرات کے یہاں بھی علاوه دیگر رسوم و فضول خرچی کے صرف پناخوں میں دس، بیس، پچاس ہزار خرچ ہو جاتا ہے۔ اس میں ذرا شبہ نہیں کہ یہ صورت حال اللہ تعالیٰ کے حکیم و عادل ذات کے غصب اور ناراضی کا باعث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بے جا اور بے تحاشا مال خرچ کرنے کی قرآن کریم میں سخت ممانعت اور مذمت آتی ہے۔ ارشادِ رب انبیاء ہے: (ترجمہ) اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق دو اور فضول خرچی سے مال نہ اڑا کر فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پور دگار (کی نعمتوں) کا کفران کرنے والا (یعنی ناشکرا) ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے کھانے اور اپنے لباس کا معیار اپنی استطاعت کے مطابق رکھے۔ اس میں بے جا اسراف اور فضول خرچی نہ ہو اور بھل بھی نہ کرے۔ اچھے لباس اچھے کھانے پنکبر نہ کرے بلکہ اللہ کا شکر ادا کرے۔ اس سے انسان کے اندر نکبر ختم ہو جائے گا۔ اللہ ہمیں اپنی عطا کردہ نعمتوں کا صحیح استعمال اور ان کا شکر ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین ثم آمين)

## توہشہ آخِرت اور اولاد کی دینی تربیت

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلَهُ وَسَلَّمَ خُذْ مِنْ حَيَاةِكَ لِمَوْتِكَ . فَرِما یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اس زندگی میں موت کے بعد کی زندگی کیلئے سامان کر لے۔ موجودہ صورت حال اس حدیث مبارکہ کے برعکس جا رہی ہے۔ بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کا انتظام نہیں کیا جاتا۔ اس حدیث مبارکہ کا مطلب اس فانی زندگی کے بعد آخرت کی فکر میں اپنی اور اولادگھر والوں کو جہنم کا ایندھن بننے سے بچانا ہے۔ بالخصوص بچوں کو اس ماحول کے حوالہ کر دیا جاتا ہے جو اس بات کا نہ مکلف ہے نہ اس بات کا مردی نہ اس بات کا اہل کہ وہ بچوں کو وہ تعلیم دیں جس پر برجات موقوف ہے۔ اور وہ پیغمبروں کی لائی ہوئی تعلیم ہے جس سے نادائقیت کے نتیجے میں ایمان کا خطرہ اور آخرت کی ہلاکت ہے۔ موجودہ نظامِ تعلیم میں اسکو لز کے نصابی لٹر پیچر میں عقیدہ پر اڑاؤلنے والے اسباق، قصے، کہانیاں اور مضامین ہوتے ہیں اور جو کس کتابوں میں رہ جاتی ہے۔ وہ ماسٹر صاحبزادی پوری کرتے ہیں۔ اور بچوں کو کچھ جنمی کام ایسے کرنے پڑتے ہیں جو اسلام کے عقیدہ توحید کے منافی ہیں۔ جب عقیدہ توحید میں دراز آئے گی تو بچ کا ایمان کیسے سلامت رہے گا۔ اگر خارجی و اضافی دینی تعلیم کا انتظام ہے جس میں اس کے دین و ایمان کا تحفظ ہو کہ اسکو میں بچ جو کچھ پڑھ کر آتا ہے اس کی اصلاح کی جا رہی ہو۔ اس کو کوئی ایمانی و توحیدی سبق دیا جاتا ہو صبایح یا شبیہہ مکتب قائم ہو یا کوئی دینی کتاب سنبھال جاتی ہو، مل باب دین کی تلقین کرتے ہوں اچھے اچھے شوق انگیز اور دین آموز قصے سناتے ہوں، گھر کا ماحول دینی ہو تب تو یہ امور کسی درجہ میں ایمان کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو آپ نے گویا اپنے بچوں کے کام میں کہہ دیا ہے کہ اسکوں کی ہر بات مان لینا۔ دینی تعلیم کا سکول سے باہر کوئی انتظام نہیں کیا۔ گویا آپ نے اپنے بچ کو ایک طرح کی ترغیب دی ہے کہ وہ غیر اسلامی بات مانتا چلا جائے۔ اب اگر وہ مانتا چلا گیا اور باہر سے کوئی انتظام نہیں ہے، نہ محلہ میں کسی مکتب کا انتظام ہے تو آپ بتائیے کہ وہ موت کے بعد آخرت کی زندگی کا کیا سامان کرے گا۔ اس کے برعکس فروں آنفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَارًا کا مخاطب ہے۔ ہمارے یہ بچے جواب لادیں اسکوں میں پڑھ رہے ہیں جن کو آپ نے ایک دن نہیں بتایا کہ توحید کیا ہے؟ اس کے علاوہ آپ نے کوئی انتظام اپنے شہر یا محلہ میں دینی مکاتب کے قیام کا بھی نہیں کیا۔ جہاں بچے دین کی بنیادی باتیں سیکھ کر پھر اسکوں میں جاتے ہیں اور اپنا ایمان بچانے کے قابل ہو جاتے ہیں، نہ گھروں میں وہ ماحول، نہ محلہ اور بستی میں یہ فضا۔ اس صورت حال کا نتیجہ کیا ہو گا؟ نسل کی نسل دین سے بالکل نا آشنا ہو جائے گی۔ دین کی بنیادی چیزوں سے ناداقف، بنیادی عقائد سے ناداقف، اللہ و رسول کا ہمارے دل و دماغ میں جو عقیدہ بسا ہوا ہے اس سے ناداقف۔ مشاہدہ میں آرہا ہے کہ یہ نسل پیدا ہو جکی ہے جس کے نزدیک کفر و ایمان کا فرق توحید و شرک کا فرق، عقائد و مذاہب کا فرق سب بے معنی با تین ہو جائیں گی۔ اللہ ہمیں اور ہماری نسلوں کو دین پر قائم و دائم رکھے۔ (۱ میں)

## اولاد کی تربیت اور والدین کی ذمہ داری

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلَهُ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ سَائِلٌ كُلَّ رَاعٍ عَمَّا اسْتَرْعَاهُ حَفْظُ أَمْ ضَيْعٍ . رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہر تنگہ بہان سے اس کی رعایا کے بارے میں دریافت فرمائیں گے کہ اس نے ان کی دیکھ بھال کی یا انہیں ضائع کر دیا۔ (ابن حبان)

حدیث مذکورہ کے مطابق والدین کی ذمہ داری ثابت ہے کہ اپنے جگر گوشوں کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری کو ادا کریں۔ اگر ان کے نظریات و افکار گمراہ کن آراء پر مشتمل ہوں تو ان کی اصلاح کی پوری کوشش کریں۔ اور ساتھ ہی یہ فرض ہے کہ مادہ پرستوں اور مستشرقین کی بہتان طرازیوں سے بھی آگاہ کرتے رہیں۔ کیا یہ صورت حال افسوس ناک نہیں ہے کہ ہمارے نوجوان سن شعور کو پہنچ جاتے ہیں لیکن ان کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اسلام دین و حکومت، قرآن و تواریخ، عبادات و سیاست سب کے مجموعہ کا نام ہے۔ اور اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو حرثی پذیر زمانہ اور ترقی یافتہ زندگی کے ساتھ چلنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ کیا یہ تکلیف وہ بات نہیں ہے کہ ہماری اولادیں ماڈرن اسکولوں میں مغرب کے سر کردہ لوگوں اور مشرق کے فلاسفہ کے کارناموں کی تو معلومات رکھتی ہیں مگر مسلمانوں کے سر کردہ لوگوں اور اسلام کے بہادروں کی زندگی کے بارے میں ان کو معمولی معلومات بھی حاصل نہ ہو؟ اور کیا یہ بات دل وجہ کے ٹکڑے کلڑے کرنے والی نہیں ہے کہ مسلمان نوجوان ایسے مدیعوں کے پیچھے چلنے لگ جائیں جو ان کی قوت فکریہ کو معطل کر دیں اور اسلامی ثقافت سے ان کو بالکل منقطع کر دیں۔ اور ہر مغلص مرشد سے تعاقب ختم کر دیں جو انہیں اسلام کی حقیقت سمجھا سکے۔ اور اسلام کا کامل نظریہ واضح کر سکے۔ کیا یہ ذلت و رسائی اور عیوب کی بات نہیں ہے کہ ہماری اولادیں ملحدانہ نظریات پر مشتمل کتابیں اور گندے اور عریاں رسانے اور عشقی قصے کہانیاں توجیح کرے لیکن ان کا ایسی کتابوں سے قطعاً واسطہ نہ ہو۔ جو اسلام کے نظام کو پیش کرتی ہوں اور دشمنوں کے اعتراضات کو دور کرتی ہوں۔ اور تاریخ کے قابل فخر کارناموں کو بیان کرتی ہو۔ مگر افسوس صد افسوس! کہ اب مسلمان ایسی علمی دینی کتابوں کو نہ خریدنے کی ضرورت سمجھتے ہیں اور نہ پڑھنے کی۔

اس لئے اے والدین اور سریبو! اپنی اولاد کو ان مادہ پرست سکالرز، ڈاکٹرز اور مستشرقین کی بہتان طرازیوں سے بچائیں۔ ان کے ایمان و اسلام کی خلافت فرمائیں۔ اگر آپ حضرات نے مذکورہ مادہ پرست افراد کے نظریات و افکار اور ان کی گمراہ کن آراء سے اپنی اولاد کو بچالیا تو آپ کی اولاد اپنے دین کو عزت و افتخار کا ذریعہ سمجھے گی۔ اور اپنے بزرگوں کی تاریخ پر فخر کرے گی اور اسلام کے علاوہ کسی اور دین نہ سمجھے گی۔ اے اللہ! ہمیں ان لوگوں میں سے ہادیجتے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں اور ان لوگوں میں سے بنائیے جنہوں نے اپنی اولاد اور گھر بار کی دیکھ بھال کی اور اپنی ذمہ داری کے فرائض کو بہتر طریقے سے پورا کیا۔ آپ ہی سے اچھی امید قائم کی جاسکتی ہے اور آپ ہی وہ کریم داتا ہیں جس سے سوال کیا جاتا ہے۔

## اچھے لوگوں کی صحبت کے اثرات

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَا تُصَاحِبُ إِلَّا مُؤْمِنًا .  
رسول اللہ! اصلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صحبت میں رہو تو مومن ہی کی رہو۔  
کیونکہ جو لوگ مومن نہیں ہیں اور حکم کھلا فتنہ و فجور میں بیٹھا رہتے ہیں ان کی صحبت سے تو حقیقت الامکان  
بچنا چاہئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مثال سے سمجھایا کہ اچھی صحبت کی مثال عطر پینے والے کی ہے  
— اگر اس کے پاس بیٹھو گے تو خوشبو سے فائدہ اخواوے گے، عطر پیز ہو جاؤ گے، مزہ آجائے گا۔ اگر نہ خرید و تب بھی  
خوشبو لے کر جاؤ گے۔ اگر بھٹی پھونکنے والے کے پاس بیٹھو گے تو اس کا دھواں اور اس کی کالک ملے گی۔ کالک  
سے تم نے اگر اپنے آپ کو بچا بھی لیا تو دھواں کہیں کیا ہی نہیں۔ جیسا کہ بروں کی صحبت سے بران جاتا ہے یا کم  
از کم ب瑞 شہرت ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہا گیا کہ برسے کی صحبت سے بچتے رہو، یہ بہت ہی اہم بات ہے۔ حضرت  
مولانا محمد راجح حنفی ندوی دامت برکاتہم کے پاس ایک صاحب آئے جو بڑے نیک نام تھا انہوں نے کہا ایک  
شخص برا بدنام ہے وہ مجھے بلارہا ہے۔ سوچتا ہوں چلا جاؤں ہو سکتا ہے کہ کچھ ٹھیک ہو جائے اور اثر قبول کر لے۔  
تو مولانا نے بڑی حکمت کی بات فرمائی کہا کہ اگر ان کے پاس جاؤ گے تو ان کی ب瑞 شہرت آپ کوں جائے گی۔  
اس لئے برسے لوگوں سے بچنا چاہئے۔ ہاں جو اللہ کے نیک بننے ہیں جن کو کچھ کیفیت حاصل ہے۔ جیسا کہ  
کوئی اللہ کا بندہ کسی کی اصلاح کی غرض سے گیا، یادِ حوت کے کام کی نیت سے گیا۔ لیکن اگر کوئی دنیاوی معاملہ  
کرنے جا رہا ہے اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے یعنی تھوڑا احمدہ اس جانے والے کا اس کو ملے گا۔ اور اس کا تھوڑا احمدہ  
اسے ملے گا۔ اس کا اثر یہ ہو گا کہ اس میں نیک آدمی کا انضنان ہو گا۔ اس لئے احتیاط کرنی چاہئے۔ ب瑞 صحبت کا  
اثر پڑ کر رہتا ہے۔ اسی طرح اچھی صحبت کا اثر بھی پڑ کر رہتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی نے ایک نئی ڈال دیا، فتح پڑ  
گیا، یہ ضروری نہیں کہ فوراً درخت سامنے اگ آئے فتح پڑ گیا، اب آہستہ آہستہ کام ہوتا رہے گا۔ اللہ والوں کی  
صحبت کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ فتح بعض دفعہ پڑ جاتا ہے وہ بھی تب ہو گا، آداب کی رعایت ہو گی اور اس لائق بھی ہو۔  
اگر فتح پڑ گیا تو کچھ دنوں، ہفتوں، ہفتینوں اور رسول کے بعد یک دن رنگ بد لے گا۔ عربی کا ایک شعر ہے:

احب الصالحين ولست منهم      لعل الله يرزقني صلاحا

”میں نیک لوگوں سے صحبت کرتا ہوں چاہے ان جیسا نہ ہوں، ہو سکتا ہے کہ اس کی برکت سے اللہ تبارک  
و تعالیٰ ہم کو بھی نیکی عطا فرمادے۔“ معلوم ہوا کہ اللہ والوں سے صحبت کرنی چاہئے اور ان کی صحبت میں بیٹھنا  
چاہیے۔ اگر ان کی صحبت میں کوئی آدمی نہیں بیٹھ سکتا تو ان کی کتابوں کا مطالعہ کرے ان کی سیرت و سوانح  
سے پڑھے یعنی ان کی حالات زندگی کا مطالعہ کرے۔ اس کے بھی اثرات پڑتے ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ اللہ  
والوں کی صحبت کا تو کوئی بدل نہیں۔ اللہ کی سنت اور طریقہ بھی ہے کہ جو رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کی  
صحبت میں رہے وہ صحابہ بن گئے، جو صحابہ کی صحبت میں رہے وہ تابعین بن گئے، جو تابعین کی صحبت میں  
رہے وہ تابع تابعین بن گئے۔ وہ سلسہ نسب چل رہا ہے، جب اچھے لوگوں کے ساتھ ہم ملیں گے چلیں گے تو  
ہمارے اندر بھی اچھائی پیدا ہو گی۔ اللہ ہم سب کو فتح صالح صحبت عطا فرمائے۔

## ٹخنوں کا ڈھانپنا گناہ ہے

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلهٖ وَسَلَّمَ مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْأَذَارِ فِي النَّارِ . رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ازتم ازار یعنی پاجامہ وغیرہ کا جو ٹخنوں کے نیچے ہو گا وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ (بخاری)

ابن ماجہ کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کیلئے اولیٰ اور بہتر بھی ہے کہ تہبند اور اسی طرح پاجامہ نصف ساق تک ہو اور ٹخنوں کے اوپر تک ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ لیکن اس سے نیچے جائز نہیں بلکہ سخت گناہ ہے۔ اور اس پر جہنم کی وعید ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں وارد ہے۔

اس وقت لباس کے متعلق اسلامی معاشرے کی صورت حال زیوں تر ہے۔ عوامِ الناس کے طبقہ میں دینیوی تعلیم و تہذیب سے متاثر طبقہ کا تو حال ہی عجیب و غریب ہو چکا ہے، کہ ان کو لباس و پوشش میں غیروں کے ساتھ ایسی مشاہدہ اور موانت ہو چکی ہے کہ مسلمان وغیر مسلمان کے ماہین فرق و امتیاز مشکل بلکہ ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ اور اس مروجہ لباس یعنی شرت اور پینٹ کی وضع اور بہیت ہی ایسی ہوتی ہے جنہیں اس طرف توجہ نہیں رہتی بلکہ اس کے گناہ ہونے کا دراک بھی نہیں ہوتا۔ اور وہ اپنے معمول کے کپڑوں (نصف ہاتھ کہنیوں تک شرت اور ٹخنوں پر لگی پینٹ) میں نماز پڑھ لیتے ہیں جو کہ گناہ کبیرہ ہے۔ اس کے علاوہ اور تو اور مدارس اسلامیہ کے فضلا اور مدارس میں زیر تعلیم طلبہ کو بھی عموماً اسہال ازار کے گناہ بے لذت میں دیکھا جاتا ہے۔ بلکہ بعض مدرسوں کے معلمین اور اہل انتظام کا بھی اس میں ابتلاء نظر آتا ہے کہ نہ وہ خود کمزوری اور کوتاہی پر متنبہ ہوتے ہیں اور نہ اپنے ناخنوں، اساتذہ اور طلبہ کی وضع قطع اور اصلاح و درستگی کی جانب وصیان دیتے ہیں۔ اس طرح یہ سلسلہ متعدد ہوتا جا رہا ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات و ارشادات کسی خاص طبقہ کے لئے نہیں، بلکہ ہر صاحب ایمان ان تعلیمات نبوی کا براؤ راست مخاطب ہے۔ اور آپ کے ذاتی معمول کو اپنے عمل میں لانا ہر مسلمان کی دینی محبت کا عین تقاضا ہے اور خوش نقیبی کا سامان بھی۔ اللہ رب العزت ہمیں توفیق سے نوازے اور ہم لوگوں کے مردہ احساس کو بیدار فرمائے۔ مدارس اسلامیہ کو یقیناً دینی مرکزیت اور معتبریت حاصل ہے اور ان کے ارباب حل و عقد اور مدرسین و متدلیکین کو عام مسلمان بھی ایک ثنوں اور آئینہ میل کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ لہذا ہم اہل مدارس کو بالخصوص دینی تمام امور میں بہت محتاط اور حساس رہنے کی ضرورت ہے۔ احصال ان تمام معروضات کا مقصد بھی ہے کہ ہم بخششیت مسلمان کے ہماری وضع و قطع تعلیمات نبوی کے عین مطابق ہوئی چاہئے۔ اللہ بتارک و تعالیٰ عمل کی توفیق دیں۔ (آمين ثم آمين)

## اخلاص نیت

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِإِلِيَّاتِ وَإِنَّمَا إِلَامْرِئٌ مَا نَوَى . رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جو اس نے نیت کی۔ (بخاری)

اسلام میں اخلاص نیت کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ نیت خالص اللہ تعالیٰ کیلئے نہ ہو تو بڑے سے بڑائیک عمل بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول نہیں اور نیت خالص ہو تو چھوٹے سے چھوٹا عمل صالح بھی اجر و ثواب دلاتا ہے۔ نیت تمام اعمال کی جڑ ہے اور اجر و ثواب اور عذاب و عقاب کا دار و مدار انسان کی نیت پر ہے۔ لہذا ایک عمل کرتے وقت دل کوٹھوتے رہنا چاہئے کہ کہیں نیت میں غیر اللہ تو شریک نہیں۔ حضرت محمد ابن عبد الرحمن اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ تم لوگ "شرک اصغر" میں نہ پھنس جاؤ۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! شرک اصغر کیا ہے؟ فرمایا "ریا کاری" (یعنی لوگوں کے دکھاوے کیلئے نیک عمل کرنا)۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ اعمال کا بدل دے گا ایسے لوگوں سے کہہ گا، جاؤ ان کے پاس جن کو دکھانے کیلئے تم نے دنیا میں یہ عمل کیا تھا۔ اور دیکھو ان کے پاس تمہیں دینے کیلئے کچھ ہے۔

یہ بات ان سے اس لئے کہی جائے گی کہ دنیا میں ان کا یہ عمل محض دھوکا و فریب تھا۔ یعنی لوگوں کے روزہ اور راتوں کی عبادت میں نیک نیتی نہ ہو۔ یعنی ان کے یہ کام اللہ کو خوش کرنے اور اس کی رضا حاصل کرنے کیلئے نہ ہوں بلکہ کسی دوسری غرض سے یا محض لوگوں میں نیک نامی حاصل کرنے کی نیت سے ہوں، ایسا روزہ یا ایسی عبادت آخرت میں کوئی فائدہ نہ دے گی۔ کیونکہ وہاں ان پر کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ اگر کوئی نیک عمل بے شک پوری محنت و تدبی اور جانشناختی سے بھی کیا جائے مگر نیت درست نہ ہو یعنی عمل سے اللہ کی رضا حاصل کرنا مقصد نہ ہو بلکہ کوئی دوسری غرض ہو یا محض ریا کاری اور دکھاوا ہو ایسے عمل کا بھی کوئی فائدہ نہیں، یہ حق نفس کا دھوکا ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّ الْمُفْقِدِينَ يُخْدِغُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ (النساء - ۱۳۲)

منافق اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور وہ انہیں دھوکے میں رکھنے والا ہے۔ علاوہ اس کے جو لوگ نیک نیتی سے صرف رضاۓ الہی حاصل کرنے کیلئے عمل کرتے ہیں۔ ان کے عمل مقبول ہوں گے اور آخرت میں ان پر بڑا اجر و ثواب ملے گا۔ اللہ پاک ہمیں اپنے مخلص بندوں میں شامل فرمادے۔ (آمین ثم آمین)

## ارکان اسلام اور نعمت ایمان

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَبْنَىُ الْإِسْلَامُ عَلَىٰ خَمْسٍ شَهادَةُ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَأَقَامَ الصَّلَاةُ وَإِيتَاءَ الزَّكُوَةِ وَالصُّحُّ وَصَوْمُ رَمَضَانَ۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ آخرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اسلام کی عمارت پانچ چیزوں پر اٹھائی گئی ہے۔ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبد برق نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز ادا کرنا، اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اس حدیث میں اسلام کے پانچ ارکان (۱) کلمہ شہادت (۲) نماز (۳) حج (۴) ماہ رمضان کے روزے رکھنا ذکر ہیں۔ ان ارکان میں سے کلمہ نماز اور روزہ توہ مسلمان پر فرض ہیں۔ لیکن زکوٰۃ اور حج صرف مدار لوگوں پر فرض ہیں۔ ایمان اور اسلام، ضروریات دین پر یقین عمل سے عبارت ہے۔ جن کے بغیر ایمان و اسلام کا تحقیق نہیں ہوتا۔ ان ضروریات دین میں سے مذکورہ پانچ امور اصل اصول دین اور اساس اسلام ہیں۔ اور اسلامی دنیا میں ان کا نام ہی ارکان اسلام قرار پایا ہے۔ حدیث بالآخر میں ان کی اس اہمیت و ضرورت کی طرف اشارہ ہے اور مسلمانوں کو ان کے اپنانے اور ان پر کار بند ہونے کا حکم ہے۔

کیونکہ حق تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں سے سب سے جلیل القدر نعمت ایمان ہے۔ دنیا و دین کی تمام نعمتیں ایک پلڑے میں ہیں اور یہ نعمت دوسرا پلڑے میں اور وزن اسی نعمت کا زیادہ ہے۔ ہمیں اس نعمت کا احساس اس لئے نہیں کہ یہ بغیر کسی محنت و قربانی کے ہم کو میسر آگئی۔ اس کی اصل قیمت ان لوگوں کو معلوم تھی جنہوں نے اس کے حصول کیلئے بے دریغ قربانیاں دیں۔ اور ان کو بے شمار مصائب جھیلے پڑے۔ چیز جتنی قیمتی ہواں کی ھاظلت کا مرحلہ اتنا ہی قابل فکر ہوتا ہے۔ یہی حال ایمان و اسلام کا ہے بالخصوص آج کے دور میں جبکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: ”میں فتنوں کو تمہارے گھروں کے اندر بارش کے قطروں کی طرح گرتا ہواد کیہ رہا ہوں۔“ (بخاری کتاب الفتن) واضح حقیقت بن کرسا منے آچکا ہے۔ فتنوں کی کثرت اس قدر ہے کہ کچھ بھائی نہیں دیتا۔ ایمان اس قدر کمزور ہو چکا ہے کہ ہوا کے جھوکے سے اس کی روشنی بجھ جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ رہبر کے روپ میں لیٹیرے منہ کھولے بیٹھے ہیں۔ دین کی غلط تشریع، اباحت پسندی اور مہب کو نفاسی خواہشات کے رنگ میں ڈھانے کے اڑے، مختلف چینیوں کی شکل میں جا بجا کھلے ہیں۔ مال کا لائق دے کر ایمان کو لوٹا جا رہا ہے۔ غرض دین و ایمان پر بڑا ناک وقت ہے۔ مذکورہ حدیث میں اسلام کی بنیادوں پر عمل کی سخت ضرورت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے حال پر حرم فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

## فرضیت نماز اور وعدہ بخشش

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ خَمْسٌ صَلَواتٍ إِفْرَاضُهُنَّ اللَّهُ تَعَالَى مَنْ أَخْسَنَ وَضُوئَةً هُنَّ لِوقْتِهِنَّ وَأَتَمَ رُكُونَهُنَّ وَخُشُوعَهُنَّ كَانَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ "أَنْ يَغْفِرَ لَهُ، وَمَنْ لَمْ يَفْعُلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ" إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ، وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ . (مسند احمد، سنن ابو داود)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ نمازوں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں۔ جس نے ان کیلئے اچھی طرح وضو کیا اور ٹھیک وقت پر ان کو پڑھا اور رکوع و سجود بھی جیسے کرنے چاہئیں۔ ویسے ہی کئے اور خشوع کی صفت کے ساتھ ان کو ادا کیا تو ایسے شخص کیلئے اللہ تعالیٰ کا پکا وعدہ ہے کہ وہ اس کو بخش دے گا اور جس نے ایسا نہیں کیا (اور نماز کے بارہ میں اس نے کوتاہی کی) تو اس کیلئے اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں ہے، چاہے گا تو اس کو بخش دے گا اور چاہے گا تو سزا دے گا۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان بندہ اچھی طرح وضو کرے پھر اللہ کے حضور کھڑے ہو کر پوری قلبی توجہ اور یکسوئی کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھے تو جنت اس کیلئے ضرور واجب ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم) ان احادیث مبارکے سے واضح ہوتا ہے کہ جو صاحب ایمان بندہ اہتمام اور فکر کے ساتھ نماز اچھی طرح ادا کرے گا تو اولاد توہ خود ہی گناہوں سے پرہیز کرنے والا ہو گا اور اگر شیطان یا نس کے فریب سے کبھی اس سے گناہ سرزد ہوں گے تو نماز کی برکت سے اس کو توبہ واستغفار کی توفیق ملتی رہے گی۔ جیسا کہ عام تجربہ اور مشاہدہ بھی ہے اور اس سب کے علاوہ نماز گناہوں کا کفارہ بھی بنتی رہے گی۔ اور پھر نماز بجائے خود گناہوں کے میں کچیل کو صاف کرنے والی اور بندہ کو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و عنایت کا مستحق بنانے والی وہ عبادت ہے جو فرشتوں کیلئے باعث رشک ہے۔ اس لئے جو بندہ نماز کے شرائط و آداب کا پورا اہتمام کرتے ہوئے خشوع کے ساتھ نماز ادا کرنے کے عادی ہوں گے ان کی مغفرت بالکل یقینی ہے۔ اور جو لوگ دعوائے اسلام کے باوجود نماز کے بارے میں کوتاہی کریں گے، ان کے حالات کے مطابق اللہ تعالیٰ جو فیصلہ چاہے گا کرے گا۔ چاہے ان کو سزا دے یا اپنی رحمت سے معاف فرمادے اور بخش دے۔ بہر حال وہ خطرہ میں ہیں اور ان کی مغفرت اور بخشش کی کوئی گارنٹی نہیں۔

نماز صرف ایک عبادتی فریضہ ہی نہیں بلکہ وہ ایمان کی نشانی اور اسلام کا شعار اور ایمان و اسلام کی ایک اہم بنیاد اور رکن بھی ہے۔ اس کا ادا کرنا اسلام کا ثبوت اور اس کا چھوڑ دینا دین سے بے پرواںی اور اسلام پیزاری اور اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بے تعلقی کی علامت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو اس اہم فریضہ کی ادائیگی کا پابند نہادیں، اور اپنا قرب نصیب فرمادیں۔ (آمین)

## باجماعت نماز کی فضیلت

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةِ الْقُرْدِ بِسَبْعٍ وَّ  
عِشْرِينَ دَرَجَةً۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: باجماعت نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلہ میں ستائیں درجہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم نے اپنے کو (یعنی مسلمانوں کو) اس حال میں دیکھا ہے کہ نماز باجماعت میں شریک نہ ہونے والا یا تو بس کوئی منافق ہوتا تھا جس کی منافقت دھکی چھپی نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ عام طور سے لوگوں کو اس کی منافقت کا علم ہوتا تھا یا کوئی بے چارہ مریض ہوتا تھا۔ (جو بیماری کی مجبوری سے مسجد تک نہیں آ سکتا تھا) اور بعض مریض بھی دوآدمیوں کے سہارے چل کر آتے اور جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو ”سنن حدیٰ“ کی تعلیم دی ہے (یعنی دین و شریعت کی ایسی باتیں بتلائی ہیں جن سے ہماری ہدایت و سعادت وابستہ ہے) اور انہی (سنن حدیٰ) میں سے ہے۔ ایسی مسجد میں جہاں اذان دی جاتی ہو جماعت سے نماز ادا کرنا۔ (صحیح مسلم)

ان احادیث میں جماعت کی نماز کی فضیلت بتلائی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ باجماعت نمازا کیلے طور پر نماز پڑھنے سے ستائیں گناہ زیادہ ثواب واجر کی حامل ہے۔ لہذا اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔ علاوہ ازیں نماز باجماعت بعض آئمہ کے نزدیک فرض عین ہے اور بعض کے نزدیک فرض کفایہ ہے۔ ہمارے (احداف) کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔

لہذا نماز باجماعت کے بارے میں سستی اور تسائل سے کام لے کر بلاعذر اس کو ترک کرنا فرض یا سنت مؤکدہ کا چھوڑنا ہے جو کہ گناہ کبیرہ ہے اور موجہ عذاب ہے۔ اس کے علاوہ احادیث میں نماز باجماعت کی تاکید اور فضیلت اور اس کے چھوڑنے اور ترک پر بہت بھی زیادہ وعید یہی آئی ہیں۔ لہذا ان فضائل اور اجر و ثواب کے حصول کی خاطر اور وعیدوں اور عذاب و عقاب سے بچنے کی خاطر مسجدوں میں جا کر نماز باجماعت ادا کرنے کا خوب اہتمام کرنا چاہئے۔ اور بلا وجہ اور بلاعذر ترک جماعت کے گناہ کا مرتكب نہ ہونا چاہئے۔ یہاں تک کہ تین آدمی بھی جنم ہوں تو جماعت کر لیتا چاہئے۔

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تین آدمی (جمع) ہوں ایک ان میں سے امام بن جائے اور سب سے زیادہ امامت کا مستحق سب سے زیادہ قرآن دان ہے۔ (مسلم)

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اکٹھے نماز پڑھنے والوں میں سے جو سب سے زیادہ عالم ہو وہی امام ہو۔ یہ یاد رہے کہ قاری سے مراد قرآن حکیم کو بعض خوش الحانی سے پڑھنے والا نہیں ہے۔

## روزہ اور قیامِ رمضان

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ كُلُّ عَمَلٍ إِنِّي أَدَمَ لَهُ إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِي . (بخاری)

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا آدمی کے سب عمل اس کیلئے ہیں مگر روزہ کو وہ خاص میرے لئے ہے۔

روزہ میں ایک خاص بات ایسی ہے جو کسی عبادت میں نہیں۔ وہ یہ کہ چونکہ روزہ ہونے یا نہ ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو خوب نہیں ہو سکتی۔ اس لئے روزہ وہی رکھے گا جس کو اللہ تعالیٰ کی محبت یا اللہ تعالیٰ کا ذر ہو گا۔ اور اگر فی الحال اس میں کچھ کی بھی ہوگی تو تجربہ سے ثابت ہے کہ محبت و عظمت کے کام کرنے سے محبت و عظمت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے روزہ رکھنے سے یہ کی پوری ہو جائے گی اور ظاہر ہے کہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور محبت ہو گی وہ دین میں اتنا ہی مضبوط ہو گا اور روزہ رکھنے میں دین کی مضبوطی کی خاصیت ثابت ہو گی۔ اس لئے روزہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی چیز فرمایا کہ وہ خاص میرے لئے ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو کسی (بڑے) عمل کا حکم دیجئے۔ فرمایا روزہ کو (رکھ) لو کیونکہ کوئی عمل اس کے برائی نہیں۔ میں نے (دوبارہ) عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو کسی (بڑے) عمل کا حکم دیجئے۔ فرمایا روزہ کو (رکھ) لو کیونکہ کوئی عمل اس کے مثل نہیں۔ میں نے تیسری بار پھر عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو کسی (بڑے) عمل کا حکم دیجئے۔ فرمایا روزہ کو (رکھ) لو کیونکہ کوئی عمل اس کے برائی نہیں۔ (نسائی، ابن خزیم) یعنی خصوصیتوں میں بے مثل ہے۔ روزہ میں جو حق تعالیٰ کی محبت اور خوف کی خاصیت ہے روزہ دار اگر اسی کا خیال رکھے تو ضرور گناہوں سے بچے گا۔ کیونکہ گناہ محبت اور خوف کی کمی ہی سے ہوتا ہے۔ اور جب گناہوں سے بچے گا تو دوزخ سے بھی بچے گا۔

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رمضان (کی راتوں) میں ایمان رکھ کر اور ثواب کی نیت سے کھڑا رہے اس کے لئے گناہ بچش دیئے جائیں گے۔ (بخاری) رمضان میں عبادت کا ثواب دیے بھی غیر رمضان کے اوقات کی نسبت ستر گناہ زیادہ ہوتا ہے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ قیامِ رمضان سے مراد نماز تراویح ہے۔ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے کو فرض فرمایا اور میں نے رمضان کی شب بیداری کو (ترواتع و قرآن کیلئے) تمہارے واسطے (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) سنت ہایا (جو موئہ کہہ ہونے کے سبب سے وہ بھی ضروری ہے) جو شخص ایمان اور ثواب کے اعتقاد سے رمضان کا روزہ رکھے اور رمضان کی شب بیداری کرے وہ اپنے گناہوں سے اس دن کی طرح کل جائے گا جس دن اس کی ماں نے جتنا تھا۔ (نسائی)

## حج بیت اللہ

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ الْحَاجُ وَالْعَمَارُ وَفُدُّ اللَّهِ أَنَّ دَعْوَةَ أَجَابَهُمْ وَأَنِّي سَتَغْفِرُهُمْ لَهُمْ . (ابن ماجہ)

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ اگر وہ دعا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کرتا ہے۔ اور اگر وہ اس سے مغفرت چاہتے ہیں وہ ان کی مغفرت کرتا ہے۔

اسلام کے پانچ اركان میں سے ایک رکن حج بیت اللہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کیلئے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے جسے وہاں تک پہنچنے کی استطاعت ہو اور جو شخص کفر اختیار کرے اللہ بے نیاز ہے سارے جہان سے۔ (آل عمران)

اس آیت شریفہ میں حج بیت اللہ کو فرض قرار دیا گیا ہے اور جن لوگوں پر حج فرض ہے ان کا ذکر بھی فرمادیا گیا ہے۔ یعنی ان لوگوں پر حج فرض ہے، جن کو بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ استطاعت سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”زادو راحلۃ“، یعنی آنے جانے کا سفر خرچ اور سواری کا انتظام ہونا۔ لہذا جو شخص اتنی استطاعت رکھتا ہو کہ مکہ معظمه تک اپنے خرچ سے یا انہی ذاتی یا کرایہ کی سواری سے آجائیں تو اس پر حج فرض ہے۔ جہاں حج کی بہت فضیلتیں وار ہوئی ہیں، وہاں حج نہ کرنے پر وعدیں بھی آئی ہیں۔

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کی مجبوری نے یاروکے والے مرض نے یا خالم بادشاہ نے نہیں روکا اور اس نے حج نہیں کیا تو وہ چاہے تو یہودی ہونے کی حالت میں مر جائے اگرچاہے تو نصراوی ہونے کی حالت میں مر جائے۔ (الترغیب) کیش تعداد میں اپنے لوگ ہیں جن پر استطاعت کی وجہ سے حج فرض ہے۔ لیکن وہ دنیاوی مشاغل کی وجہ سے حج نہیں کرتے، نفس اور شیطان ان کو یہ سمجھاتے رہتے ہیں کہ ابھی بڑی زندگی پڑی ہے، کر لیں گے دوچار سال بعد۔ ابھی کیا جلدی ہے۔ حالانکہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلِيَتَعَجَّلْ۔ (ابوداؤد) ”جسے حج کرنا ہو وہ جلدی کرے۔“ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ آئندہ آنے والے رسول پر حج کوٹائے والے بغیر حج کے مر جاتے ہیں اور ترک حج کی وعید کے مستحق ہوتے ہیں۔ اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے پاس کافی رقم ہے۔ اور جانتے ہوئے کہ ہم پر حج فرض ہے، گری کی وجہ سے یا حج کی بھیڑ کی وجہ سے حج کیلئے نہیں جاتے۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے اور یہ فرض چھوڑنے کی جسارت ہے۔ تھوڑی سی مشقت کو سامنے رکھ کر بغیر حج کے مر جانا جس کیلئے آپ نے فرمایا: جس مسلمان پر حج فرض ہے وہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصراوی ہو کر مر جائے۔ ایسے اسلام کی خدا کو کوئی ضرورت نہیں، لئنی بڑی بدجھتی ہے۔

## زکوٰۃ کی ادائیگی کی فکر کیجئے

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَا مَنَعَ قَوْمًٌ إِذْ كَوَافِرُهُمْ أَلَا يُبْتَلَاهُمُ اللَّهُ بِالْيَسِينَ وَفِي رِوَايَةِ الْأَحْبَسِ اللَّهُ عَنْهُمُ الْمُطَهَّرُ۔ (طرانی و حاکم و تیہق)

زکوٰۃ بھی مثل نماز کے اسلام کا ایک رکن ہے۔ یعنی بڑی شان کا ایک لازمی حکم ہے۔ بہت سی آئینوں میں زکوٰۃ دینے کا حکم اور اس کے دینے کا ثواب اور اس کے نہ دینے کا عذاب مذکور ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی وعدیں آئی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس ماں میں زکوٰۃ ملی ہوئی رہی وہ اس کو برپا کر دیتی ہے۔ زکوٰۃ کا ملنا یہ ہے کہ جس ماں پر زکوٰۃ فرض ہو جائے اور نکالی نہ جائے۔ اور برپا ہونا یہ ہے کہ وہ ماں جاتا رہے یا اس کی برکت جاتی رہے۔ اموال زکوٰۃ چار ہیں: سونا، چاندی، ماں تجارت اور نقد رم۔

سونے کا نصاب یہ ہے کہ ساڑھے سات تو لہ سونا، یہ نصاب اس شخص کیلئے ہے جس کے پاس صرف سونا ہو۔ چاندی مال تجارت اور نقدی میں سے کچھ بھی نہ ہو۔ چاندی کا نصاب ساڑھے باون تو لہ ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب بقیہ تینوں اموال زکوٰۃ میں سے کچھ بھی نہ ہو۔ اگر سونے چاندی کے ساتھ کوئی دوسرا مال زکوٰۃ بھی ہو تو ہر ایک کا الگ الگ حساب کرنے کی بجائے سب کی مجموعی مالیت لگائی جائے گی۔ اگر مجموعی قیمت ساڑھے سات تو لہ سونا یا ساڑھے باون تو لہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو زکوٰۃ فرض ہے۔ نصاب زکوٰۃ کا خلاصہ یہ ہے کہ سونا ۱/۲۔ ٹولہ، چاندی ۱/۲۔ ۵۵ تو لہ یا مال تجارت یا نقدی یادو چیزوں یا تین یا چاروں کا مجموعہ ساڑھے باون تو لہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہو جائے گی۔ اصل جنس کا چالیسوں حصہ ادا کرے۔

زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کی ادائیگی کیلئے تمییک شرط ہے۔ یعنی جس شخص کو زکوٰۃ دینا درست ہو اس کو زکوٰۃ کی رقم کا مالک بنادیا جائے۔ لہذا زکوٰۃ کی رقم سے مسجد بنانا، قبرستان کیلئے جگہ خریدنا، مدرسہ، ہسپتال وغیرہ کی تعمیر اور لاوارث مردہ کے کفن دفن میں لگانا جائز نہیں۔ (عامگیری)

ہر اس مسلمان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جو صاحب نصاب نہ ہو۔ اس کے علاوہ بہترین مصرف زکوٰۃ مدارس و بینیہ ہیں جہاں مستحق و مسافر طباء کی نیادی ضروریات زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کی رقم سے پوری کی جاتی ہیں۔ اسی طرح کسی کے حالات میں غور و فکر کرنے کے بعد اس کو مستحق زکوٰۃ سمجھ کر زکوٰۃ دے دی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مستحق نہیں۔ مثلاً المدار ہے یا ہاشمی ہے تو زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ اگر غور و فکر کرنے پر نیز زکوٰۃ دے دی اور بعد میں غیر مستحق نکلا تو زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔ زکوٰۃ لینے والے کے ذمہ بہر حال ماں واپس کرنا واجب ہے۔ (کنز من الحرم الرائق ص ۲۴۷)

## خیر کے کاموں میں خرج کرنا

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَنْفَقَ يَا إِبْرَاهِيمَ أَدَمَ أَنْفَقَ عَلَيْنَاكَ۔ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے بیٹے آدم کے تو (خیر کے کام میں) خرج کر میں تجھ پر خرج کروں گا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنی حیات میں ایک درہم خیرات کرنا مر نے کے وقت سودہم کرنے سے بہتر ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خیرات کرنے میں (حتی الامکان) جلدی کیا کرو کیونکہ بلا اس سے آگئے نہیں بڑھنے پاتی (بلکہ رک جاتی ہے)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خیرات دینا مال کو کم نہیں ہونے دینا خواہ آمد نی بڑھ جائے یا برکت بڑھ جائے خواہ ثواب بڑھتا رہے۔ (مسلم)

دولت مندری اور مالداری اگر تقویٰ کے ساتھ ہو یعنی اللہ کا خوف اور آخرت کی فکر اور احکام شریعت کی پابندی نصیب ہو تو اس دولت مندری میں دین کیلئے کوئی خطرہ نہیں۔ بلکہ اللہ رب العزت اگر یہی دولت خیر کے کاموں میں خرج کرنے کی توفیق دے تو اس صورت میں یہی مال و دولت دین کی بڑی سے بڑی ترقیوں کا اور جنت کے اعلیٰ درجوں تک پہنچنے کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب و امتیازات میں کافی حصہ ان کے اس مال و دولت ہی کا ہے جو انہوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی راہ میں بے در لغ اور بے حساب خرج کیا تھا۔ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے ہی موقعوں پر ان کے حق میں بڑی بڑی بشارتیں سنائی تھیں۔ البتہ اس میں شکن نہیں کہ دولت مندری کے ساتھ تقویٰ کے ساتھ خدا ترسی اور فکر آخرت اور اتباع شریعت کی توفیق کم ہی لوگوں کو ملتی ہے۔ ورنہ دولت کے نشہ میں اکثر لوگ بہک ہی جاتے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ حرص (حب مال) سے پچھ، اس حرص نے پہلے لوگوں کو برباد کر دیا۔ (مسلم)

کیونکہ مال و دولت انسان کی فکر عاقبت سے غافل بنانے والی ہے اور شیطان چاہتا ہے کہ انسان غافل رہے۔ یہاں تک کہ پیغام موت آجائے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال کی حرص سے بچنے کا فرمایا: اگر دولت مندری حاصل ہو جائے تو موت کو زیادہ ہیاد کرے اور زادراہ آخرت کی فکر کرے۔

## تکبر میں رسوائی، عجز و انكساری میں بڑائی

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَادِرُ بِالسَّلَامِ بَرَءَ مِنَ الْكِبْرِ .

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے پاک ہو جاتا ہے۔

تکبر میں بیٹلا ہونے والے شخص کو اللہ تعالیٰ بھی پسند نہیں فرماتا۔ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فرماتے ہیں کہ جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

تکبر کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اور صفات میں دوسروں سے زیادہ سمجھے۔ ظاہر ہے کہ

جب انسان کا اپنے متعلق ایسا خیال ہوتا ہے تو پھر تکبر کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ مثلاً مجلس میں اہم جگہ

بیٹھنے کی لوکش کرنا، دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھنا، اگر کوئی سلام کرنے میں جبکہ نہ کرے تو اس پر غصہ ہونا

کوئی تعظیم نہ کرے تو ناراض ہونا، کوئی نصیحت کرے تو ناراضگی کا اظہار کرنا، حق بات معلوم ہونے کے بعد بھی

اسے نہ مانا وغیرہ۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

:”جس نے اللہ کیلئے عجز و انكساری کا روایہ اختیار کیا اللہ سے بلند کرے گا۔ وہ اپنے خیال اور اپنی نیگاہ میں جھوٹا

ہو گا لیکن خدا اور بندوں کی نگاہوں میں عظمت والا ہو گا۔ جو کوئی تکبر اور بڑائی کا روایہ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ

اسے نیچے گردایں گے۔ وہ عام لوگوں کی نظرؤں میں ذلیل و حقیر ہو گا۔ اگرچہ خوداپنے خیال میں بڑا ہو گا اور

دوسروں کی نگاہوں میں کہتے اور خنزیر سے زیادہ بے وقت ہو گا۔“ (رواہ الحمقی) جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو

تعیین عطا فرمائیں تو اس سے متعلق انسانی کردار کی خوب تربیت فرمائی کہ دیکھو یہ تعیین میرے مقامے ہوئے

طریقوں کے مطابق استعمال کرو اور میرا شکر ادا کرو۔ اگر میں یہ تعیین وابسی لے لوں تو صبر کرو اور جب میں یہ

تعیین دوں تو اسے اپنے زور باز اور اپنی محنت کا کمال نہ سمجھنا بلکہ یہ میرا افضل و کرم سمجھنا۔ اور دیکھو تمہیں تو یہ

تعیین مل گئی ہیں، لیکن پچھلے لوگ ایسے ہوں گے جن کے پاس یہ تعیین نہیں ہوں گی، ان کو حقیر مت سمجھنا اور خود

تکبر میں بیٹلا ہونا، تعیین ملنے پر اترانہ نہیں، شخچی میں نہ آتا۔ کبھی انسان اپنے آپ کو مال و دولت میں دوسروں

سے زیادہ سمجھتا ہے، کبھی علم یا عبادت میں اپنے آپ کو زیادہ درجہ والا سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ کبھی خاندان اور

برادری کی بڑائی میں بیٹلا ہو جاتا ہے، کبھی دنیا کے مرتبے اور عہدوں کی بڑائی میں دوسروں کو حقیر اور اپنے آپ کو

بڑا ظاہر کرنے لگتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ افراد کی فہرست سے نکل جاتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کیفیت کی بھی اصلاح فرمائی اور فرمایا: کہ جب انسان اپنے بارے

میں ایسی خوبیاں بیان کرنے لگتا ہے جو اس میں نہیں ہوتی تو پھر اللہ تعالیٰ اس پر ایسی آزمائش ڈال دیتے ہیں

کہ وہ لوگوں کے سامنے رسول ہو جاتا ہے۔ اور سارا پول کھل جاتا ہے۔ ایسے شخص کی کچھ بھی عزت نہیں رہتی۔

درحقیقت شیخی کے انداز اپنائے کے بارے میں ہمارے خالق و مالک نے جب فرمادیا: إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

كُلَّ مُخْتَارٍ فَخُورٍ۔ پیغمبر اللہ مکتبہ اور شیخی مارنے والے کو پسند نہیں فرماتے۔ اللہ ہمیں ہر ایسے عمل سے محفوظ

رہنے کی توفیق عطا فرمائے جو دنیا و آخرت میں رسوائی کا سبب بنے۔ (آمین ثم آمین)

## ایمانی طاقت

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ احْصَلَى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ  
وَالْعَجَزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبَخْلِ وَضَلَاعِ الدِّينِ وَغَلَبَةِ الْرِّجَالِ۔ (رواہ البخاری)  
رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے: ”اے اللہ! میں تمیری پناہ چاہتا ہوں فکر سے غم  
سے، اور کمی اور کاہلی و بزدیلی سے اور بخلی اور کجوسی سے اور لوگوں کے دباؤ سے۔“

بزدیلی کی حقیقت سمجھنے کیلئے ہمیں ایک قوت کے بارے میں سوچنا ہو گا جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے  
اندر رکھی ہے۔ اور وہ ہے غصہ کی قوت، اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ قوت خدا کے بتائے ہوئے طریقے  
پر استعمال کرو۔ اور اللہ کا بتایا ہوا طریقہ اعتدال اور میانہ رودی سے اختیار کرنا ہو گا۔ اگر غصہ کی قوت کا استعمال  
ہر جگہ انسان اپنی مرضی سے کرے تو پھر ایک انسان اچھے بھلے معاشرے میں بے چینی پیدا کر دیتا ہے۔ اہل  
معاشرہ کی زندگیوں سے سکون رخصت ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف وہ شخص دنیا و آخرت میں اپنے لئے  
سر اؤں کے انبار لگایتا ہے۔ ارشاد ہے: ”جو لوگ اللہ کے محبوب ہیں غصہ پر قابو رکھنے والے اور لوگوں سے  
درگز رکنے والے ہیں۔“ (آل عمران)

لیکن اگر اس کے برعکس غصہ کی قوت کو بالکل ختم کر دیا جائے تو پھر انسان مایوس، کم، ہمت اور بزدیل  
ہو جاتا ہے۔ اس سے بزدیلی کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے۔ بزدیل انسان کے اندر کیوں پیدا ہوتی ہے؟ جب  
ہم اس کے اسباب پر غور کرتے ہیں تو ہمارے سامنے مختلف اسباب آتے ہیں جن میں احساس کمتری،  
معاشرتی کمزوری، بھاالت، خوف و حرص و لالج وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں ایک اور اہم چیز جو انسان کو بزدیل  
بناتی ہے وہ ناکامی ہے۔ دیکھئے زندگی کے ہر قدم پر کوئی شکست ہیں کوئی بھی پلان اور منصوبہ بنا کیں اسے عملی  
جامہ پہنانے پر سیکنڈروں آفٹین پیش آئیں گی لیکن ان مشکلات سے گھبرا کر بزدیل نہیں بننا چاہئے۔ بلکہ  
ہمت اور کوشش سے کام لینا چاہئے اور جد و چہد کو جاری رکھنا چاہئے۔ اپنے پلان کو نہایت خلوص کے ساتھ  
قابل عمل بنائیں، رکاوٹیں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ پھر نیا راستہ تجویز کریں، پھر بھی ناکامی سامنے آئے تو  
بزدیل نہیں۔ اس لئے ہمارا خالق یہ فرماتا ہے: لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللَّهِ ”تم اللہ کی رحمت سے نامید  
نہ ہو۔“ ایک جگہ ارشاد ہے: وَأَنْتُمُ الْأَغْلُوْنَ إِنَّ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ھ اور تم ہی بلند ہو گے اگر ایمان دار  
ہو گے۔ ”جہاں ایمان کی طاقت ختم ہوگی وہاں بزدیل جنم لے گی۔ لہذا اگر ہمارا ایمان ہے تو یقین جانئے کہ  
ہمارے نزدیک بزدیل پر بھی نہیں مار سکتی۔ اور بزدیل تو ایسی بڑی چیز ہے کہ آتائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآل  
وسلم نے فرمایا: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُجْنُ ۔” یعنی اے اللہ! میں بزدیل کے بارے میں تجوہ سے پناہ  
ما نگتا ہوں۔ اے اللہ! ہم سب کو بزدیل سے بچا۔ (آمین ثم آمین)

## بامہی محبت و عداوت صرف اللہ کیلئے

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى الْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبَغْضُ فِي اللَّهِ۔ (رواہ ابو داؤد)

فرمایا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بندوں کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ محبت ہے جو اللہ کیلئے ہوا وہ بغض و عداوت ہے جو صرف اللہ کیلئے ہو۔  
کسی بنده کا یہ حال اور طبیعت بن جانا کروہ محض اللہ تعالیٰ کیلئے محبت کرے اور صرف اللہ تعالیٰ کیلئے بغض و عداوت رکھے بلا شبہ یہ ایک بہت بلند مقام ہے۔

ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ اس لئے مسلمان کی کوشش اپنے ہر قول و فعل سے یہی ہونی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان عالیٰ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کیلئے اور اس کی رضا کیلئے کام کرنے کی وجہ سے ایمان کامل ہوتا ہے۔ یعنی جو شخص اپنی حرکات و سکنات اپنے جذبات اور احساسات اس طرح اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کر دے کہ وہ جس سے تعلق جوڑتا ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے جوڑتا ہے اور جس سے قلع توڑتا ہے اللہ تعالیٰ ہی کیلئے توڑتا ہے جس کو کچھ دیتا ہے اللہ ہی کیلئے دیتا ہے اور جس کے دینے سے ہاتھ روکتا ہے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہوتی ہے۔

جس شخص کی سوچ اور تفکرات اس قدر رضائے الہی کے تابع ہوں اسے اللہ تعالیٰ سے کامل تعلق اور کامل ایمان نصیب ہوتا ہے۔ عداوت یعنی دشمنی اور محبت اللہ ہی کیلئے کرنا ایسا عمل ہے جس سے انسان اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”جو لوگ میری رضا کیلئے آپس میں محبت کرتے ہیں ان کیلئے میری محبت واجب ہو جاتی ہے۔“

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے مسلمان بھائی سے محبت کرنا اور رضائے الہی کیلئے اس سے ملاقات کرنا کتنا عظیم عمل ہے۔ آج معاشرے میں محبت و عداوت کیلئے دنیوی مقادمات کو بنیاد بنا لیا گیا۔ چنانچہ کسی سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو اس سے محبت کی جاتی ہے۔ اس کی عزت اور تو قیر معاشرے کی نگاہ میں ہوئی ہے اور جس کسی سے فائدہ نہ پہنچے اسے عزت کی نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ اس سے نفرت کی جاتی ہے۔ حالانکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے ان تمام تعلقات سے قطع نظر کرتے ہوئے محبت و عداوت اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہوئی چاہئے۔ جب ہماری محبت اور نفرت کا مدار ”رضائے الہی“ پر ہوگا تو اس سے ایمان کامل ہوگا۔ دنیا و آخرت میں نجات سب سے بڑھ کر اللہ کی خوشنودی اور محبت حاصل ہوگی۔ اللہ ہمیں باہمی محبت اور عداوت اپنی رضا کی خاطر نصیب فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

## عہد کی پابندی

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةً لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا  
عَهْدَ لَهُ۔ (رواہ البغی)

فرمایا: رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس میں امانت نہیں اس کا ایمان (کامل) نہیں اور جس میں  
عہد (کی پابندی) نہیں اس کا دین (کامل) نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جس دین کامل کو رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ انسانوں تک پہنچایا ہے  
اس میں ایمان کے بعد جن باتوں پر بہت زیادہ تاکید بیان کی گئی ہے وہ اچھے اخلاق اختیار کرنا اور برے  
اخلاق سے حفاظت کرنا ہے۔ ان ہی اخلاقی خوبیوں میں سے ایک خوبی عہد کی پابندی ہے۔ چنانچہ سورہ نبی  
اسرائیل کی آیت نمبر ۳۲ میں فرمایا: "اور تم عہد کو پورا کیا کرو بے شک عہد کے بارے میں قیامت کے دن  
پوچھا جائے گا۔"

عہد کی پابندی ایمانی تقاضا ہے۔ اس لئے کہ وعدہ خلافی کو رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے  
منافق کی نشانیوں میں شمار فرمایا ہے۔ جب معاشرے میں عہد کی پابندی کا خیال رکھا جاتا ہے تو پھر معاشرے  
میں افراد کا ایک دوسرے پر اعتماد قائم رہتا ہے اور جب عہد ٹکنی عام ہو جائے تو پھر معاشرے میں باہمی اعتماد  
ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ جب کہ زندگی کے اکثر معاملات کا انحصار اعتماد پر قائم ہے۔ اس لئے کسی سے عہد  
کرنے سے پہلے سوچ لیا جائے کہ پورا کر سکوں گا یا نہیں اور پورا کرنے کی نیت بھی ہے یا نہیں۔ اور پھر عہد  
کرنے کے ساتھ اثناء اللہ بھی کہہ دیا جائے۔ اس کے بعد اگر عہد پورا کرنے میں رکاوٹ نظر آرہی ہو تو  
کوشش کر کے مقررہ وقت سے پہلے معدود ری اور عندر ظاہر کر دیا جائے تاکہ عین وقت پر دوسرے کو پریشان نہ  
ہونا پڑے۔ اور اگر دوسرے شخص چاہے تو اس کام کیلئے تبادل انتظام بھی کر لے۔ لیکن حیلے بہانے یا جھوٹ اور  
فریب سے کام لے کر عہد ٹکنی نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ اصل بات ظاہر کر کے عذر پیش کر دیا جائے۔ اور اگر کبھی  
عہد ٹکنی ہو جائے تو دوسرے انسان سے معافی مانگ لی جائے اور کسی نہ کسی طرح اس کو بچنے والی تکلیف کا  
ازالہ کر کے اس کے دل کو خوش کر دیا جائے تاکہ مبین دنیا میں معاملہ اور حساب صاف ہو جائے۔ اور آخرت  
میں عہد کا حساب نہ دینا پڑے۔ حضرت سفیان بن اسید حضری سے ارشاد مقبول ہے: کہ یہ بہت ہی بڑی  
خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات کرو وہ تمہیں سچا سمجھ رہا ہو۔ حالانکہ تم (اس) سے جھوٹ بول رہے  
ہو۔ اللہ رب العزت ہمیں عہد کرنے سے پہلے سوچنے اور عہد کرتے وقت خلوص نیت اور بعد میں عہد کی  
پابندی کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

## بغض و کینہ کی نحوست

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ ذَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأَمَمِ قَبْلَكُمُ الْحَسْدُ وَالْبُغْضَاءُ هِيَ الْعَالَقَةُ لَا أُقُولُ تَخْلُقُ الشَّعْرَ وَلِكُنْ تَخْلُقُ الدِّينَ۔ (رواہ الترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گذشتہ امتوں کی بیماری تمہاری طرف چلی آ رہی ہے اور وہ ہے حسد اور بغض۔ یہ مومن نے والی ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ یہ باول کو مومن نے والی ہے بلکہ یہ دین کو مومنہ دیتی ہے۔

اسلام دین محبت ہے۔ اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ محبت کا سبق دیتے، محبت کرنے کے سلسلے سکھاتے۔ لیکن زندگی کے نشیب و فراز میں جب کسی کی طرف سے تکلیف پہنچ یاد و سر اخض دکھ پہنچائے، جانی یا مالی نقصان پہنچائے اور انسان اس پر اپنا راعمل بھی ظاہرنہ کرے۔ اس سے انتقام لینے کی طاقت نہ ہو یا کسی وجہ سے بے بس ہو تو اس بات کو دل میں دباینے سے اس شخص کی طرف سے دل میں ایک بو جھ آ جاتا ہے۔ دل میں غبار بھرارہتا ہے۔ بات بڑھتی ہے، یہ انسان رنجیدہ رہتا ہے، اسے بغض اور کینہ کہتے ہیں۔ جب کہی رنجید کیاں دشمنی کے رنگ میں آئے لگتی ہیں تو عناد بھی بن جاتا ہے۔

لیکن اگر یہی بغض ذاتی مقادات اور ذاتی رنجشوں سے بالاتر ہو کر اللہ کی خاطر ہو تو یہی بغض جائز شمار ہوتا ہے۔ بلکہ بہترین عمل شمار ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: بندوں کے اعمال میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ محبت ہے جو اللہ کیلئے ہو اور وہ بغض وعداد ہے جو اللہ کیلئے ہو۔ لیکن اگر بغض و عناد ذاتی مقادات اور ذاتی نقصان کی بنا پر ہو تو اس بغض و عناد سے منع فرمایا۔ ارشاد نبوی ہے کہ: کینہ پر شخص کی بخشش نہیں ہوتی۔ لیکن بسا اوقات دوسرا شخص کی زیادتی ذاتی بڑی اور ذاتی تکلیف دہ ہوتی پے کہ با وجود معاف کرنے کے اس کا بوجھ دل سے دور نہیں ہوتا۔ انسان اس شخص سے مانا بھی نہیں چاہتا۔ اس قسمی بوجھ کو کینہ نہیں کہتے اور نہ اس پر گناہ ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک طبعی رکاوٹ ہے۔ اس میں انسان کو اپنے ارادہ کا دخل نہیں ہوتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغض و کینہ رکھنے سے جہاں منع فرمایا وہاں بغض و کینہ کی بنیاد پر کئے جانے والے اعمال سے بحقی سے منع فرمایا۔ چنانچہ کسی سے بغض ہو پھر اس کو کوئی نقصان یا مصیبت پہنچ تو انسان کو بالکل خوش نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کتم اپنے کسی بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار مت کرو اگر ایسا کرو گے تو ہو سکتا ہے کہ اللہ اس کو مصیبت سے نجات دے دے اور تمہیں اس میں بنتا کر دے۔ اللہ رب العزت ہمیں آپس میں فُلُبی محبت عطا کرے۔ آپس کی نفرت، بغض و عناد اور کینہ و دشمنی سے محفوظ فرمائے۔ اور اگر زندگی کے اتار چڑھاؤ میں بغض و عناد دل میں آجائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق سلام کی کثرت کرے اور ایک دوسرے کو بدیہی دینے کی کوشش کرے۔ اللہ عمل کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

## دیا کاری سے بچنے

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَغْوَافَ مَا أَخَافَ عَلَيْكُمُ الشَّرُكُ الْأَصْغَرُ  
قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا الشَّرُكُ الْأَصْغَرُ؟ قَالَ الرِّيَاءُ۔ (رواه احمد)

فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ ”شرک اصغر“ کا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ اشک اصغر کیا ہے؟ فرمایا ”ریاء“ (یعنی دکھاوے کیلئے کوئی کام کرنا) اللہ رب العزت نے انسان کی زندگی کا مقصد اللہ کی رضا حاصل کرنا قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ زندگی کا کوئی عمل بھی اللہ کے ہاں اس وقت قابل قول ہو گا جو صرف اور صرف اس نیت سے کیا گیا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے۔ اس نیک نیتی کو اخلاص کہا گیا ہے۔

اخلاص و لذہت کا مطلب یہی ہے کہ ہر اچھا کام یا کسی سے اچھا سلوک صرف اس نیت سے کیا جائے کہ ہمارا خلق ہمارا پروردگار ہم سے راضی ہو۔ ہم پر حمت فرمائے۔ اگر مقصد اللہ کی رضانہ ہو بلکہ کوئی اور مقصد ہو نام غمود، ریا کاری، دوسروں کو دکھانا مقصود ہو تو اللہ کے نزدیک ان کے کاموں کی کوئی قیمت اور کوئی حیثیت نہیں۔ اور بندے کا یہی عمل شرک اصغر بن جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں واضح ہو چکا ہے۔ اس لئے جو شخص اپنے زندگی کے تمام کاموں میں صرف یہ مقصد بنا لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اعمال سے راضی اور خوش ہو جائے تو اللہ ان اعمال کو قبول کر کے راضی ہو جاتا ہے۔ دنیا میں اپنی رحمتیں نازل کرتا ہے اور آخرت میں پھر اس کا ثواب اور اجر عطا فرمائے گا۔ لیکن اگر کسی دنیا کے مقصد کی خاطر کام کیا تو اللہ وہ دنیا کا مقصد تو پورا کر دیتا ہے لیکن آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں ہوتا۔ اگر دیکھا جائے کہ اپنی نیتی جان خرچ کر کے شہید ہو جانا، علم حاصل کرنا، تلاوت کرنا، مال خرچ کرنا یہ سب کتنے اعلیٰ درجہ کے نیک کام ہیں۔ لیکن جب یہ اللہ کی رضا کی بجائے کسی اور مقصد کی خاطر کئے جائیں تو بالکل بے کار ہو جاتے ہیں۔

اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر رکھا ہے۔ ”إِنَّمَا الْأَعْمَالَ بِالنِّيَّاتِ“، اس لئے جو انسان زندگی کے ہر اچھے عمل میں اللہ کی رضا حاصل کرنے کی نیت کر لیتا ہے تو وہی عمل اس کیلئے عبادت اور نیکی بن جاتا ہے۔ مال خرچ کرتا ہے تو خوب اجر و ثواب پاتا ہے اور جب جان خرچ کرتا ہے تو شہادت جیسے عظیم رتبہ سے سرفراز ہوتا ہے۔ اور شہداء کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ تم اللہ کے راستے میں جان قربان کرنے والوں کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ ان کو اپنے رب کے پاس سے رزق دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس نعمت خداوندی پر شکر اور فرحت محسوس کرتے ہیں۔ یہ بشارتیں، یہ اللہ کا فضل صرف اس وقت نصیب ہوتا ہے جب انسان اعمال اللہ کی رضا حاصل کرنے کیلئے کرے۔ اللہ رب العزت ہمیں زندگی کے تمام اعمال میں رضاۓ الہی حاصل کرنے والا بنا دے۔ (آمين ثم آمين)

## هدیہ اور تحفہ باہمی محبت والفت کا ذریعہ

**قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ تَهَادُوا فَإِنَّ الْهَدْيَةَ تَذَهَّبُ وَحْدَ الصَّدْرِ وَلَا تَخْرُقَنَّ جَارَةً لِجَارِتِهَا وَلَوْ شَقَ قُرْسِينَ شَأِةً . (رواہ اترمذی)**

فرمایا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ میں ہدیہ کیلئے بھروسے کی دوسرت و بخشش کو دور کر دیتا ہے اور ایک پڑون دوسری پڑون کے ہدیہ کیلئے بھروسے کے کھر کے ایک ٹکڑے کو بھی حقیر اور کمرنہ سمجھے۔ زندگی میں لین دین کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اپنی کوئی چیز ہدیہ اور تحفہ کے طور پر کسی کو پیش کر دی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات میں اس کی بڑی تغییر دی ہے۔ اس کی یہ حکمت بھی بتلائی ہے کہ اس سے دلوں میں محبت والفت اور تعلقات میں خوشنگواری پیدا ہوتی ہے۔ جو اس دنیا میں بڑی نعمت اور بہت سی آنکتوں سے حفاظت اور عافیت و سکون حاصل ہونے کا وسیلہ ہے۔

ہدیہ وہ عطیہ ہے جو دوسرے کا دل خوش کرنے اور اس کے ساتھ اپنا تعلق خاطر ظاہر کرنے کیلئے دیا جائے۔ اور اس کے ذریعے رضاۓ الہی مطلوب ہو۔ یہ عطیہ اور تقدماً گراپنے کی چیزوں کے تو اس کے ساتھ اپنی شفقت کا اظہار ہے۔ اگر کسی دوست کو دیا جائے تو یہ محبت زیادہ کرنے کا ذریعہ ہے۔ اگر کسی ایسے شخص کو دیا جائے جس کی حالت کمزور ہے تو یہ اس کی خدمت کے ذریعہ اس کی دل جوئی کا ذریعہ ہے۔ اور اگر اپنے کسی بزرگ اور محترم کو پیش کیا جائے تو ان کا اکرام ہے۔ اگر کسی کو ضرورت مند سمجھ کر اللہ کے واسطے اور ثواب کی نیت سے دیا جائے تو یہ ہدیہ نہ ہوگا بلکہ صدقہ ہوگا۔ ہدیہ جب ہی ہوگا جب کے اس کے ذریعہ اپنی محبت اور تعلق خاطر کا اظہار مقصود ہو اور اس کے ذریعہ رضاۓ الہی مطلوب ہو۔ ہدیہ اگر اخلاص کے ساتھ دیا جائے تو اس کا ثواب صدقہ سے کم نہیں بلکہ بعض اوقات زیادہ ہوگا۔

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدیہ شکریہ اور دعا کے ساتھ قبول فرماتے اور اس کو خود بھی استعمال فرماتے تھے۔ اور صدقہ کو بھی اگرچہ شکریہ کے ساتھ قبول فرماتے اور اس پر دعا میں بھی دیتے۔ لیکن خود استعمال نہیں فرماتے تھے۔ دوسروں کو مرحمت فرمادیتے تھے۔ افسوس ہے کہ امتحان میں باہم مخلصانہ ہدیوں کی لین دین کا رواج بہت کم ہی کم ہو گیا ہے۔ بعض خاص حلقوں میں بس بزرگوں، عالموں، مرشدوں کو ہدیہ و تحفہ پیش کرنے کا تو کچھ رواج ہے۔ لیکن اپنے غریبوں، غربیوں، پڑو سیوں وغیرہ کے ہاں ہدیہ صحیحے کا رواج بہت ہی کم ہے۔ حالانکہ قلوب میں محبت والفت اور تعلقات میں خوشنگواری اور زندگی میں چیزوں و سکون پیدا کرنے اور اس کے ساتھ رضاۓ الہی حاصل کرنے کیلئے یہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بتلایا ہو اور اخراج کیمیاء ہے۔ اللہ رب العزت ہم سب کو آپس میں قلبی الافت و محبت عطا فرمائے۔ (آمين ثم آمين)

## ۷۶۔ باہمی عیب جوئی سے پرہیز

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا یَسْتُرُ عَبْدًا عَبْدًا فِي الدُّنْيَا إِلَّا سَتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو بندہ کسی دوسرے کے عیب کو دنیا میں چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت  
کے روز اس کے عیب چھپائیں گے۔ (رواه مسلم)

سورۃ الحجۃ میں اللہ تعالیٰ نے بھی دوسرے انسانوں کے عیبوں کے تذکرہ سے اتنی تحفظ سے منع  
فرمایا لیکن جب ہم اپنے معاشرے پر نظر ڈالتے ہیں تو تقریباً ہر محفل اس گناہ سے آلوہ نظر آتی ہے۔ جہاں  
دو افراد میٹھے وہاں کسی کی برائی ضرور ہو گی۔ آخر یا کیوں ہوتا ہے اس کی نفسیاتی وجہ یہ ہے کہ عام  
انسان کی فطرت اور طبیعت کچھ ایسی ہے کہ اسے دوسرے کی برائیاں بیان کرنے میں مزہ آتا ہے۔ ایک  
عجیب کی لذت ملتی ہے اور سننے والے پریکی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اگر محفل میں عامہ باتیں ہو رہی  
ہوں تو انسان کا دل اکتا جاتا ہے۔ آدمی تھوڑی دیر بعد بور ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر اسی محفل میں کسی کی برائیاں  
بیان ہو رہی ہوں تو کئی کئی گھنٹے گزر جائیں گے، احساس ہی نہیں ہوتا۔ سننے والے بھی خوب کان لگا کر سنتے  
ہیں۔ پھر جب کسی کا عیب معلوم ہو جائے تو اب وہ سننے والا بے چین ہو جاتا ہے کہ مجھے کوئی بھی ملے تو میں  
اس کو یہ بتاؤں کہ فلاں میں یہ عیب ہے۔ حالانکہ ہم سب کا خالق و مالک جس کی خوبی یہ ہے کہ وہ ہمارے  
عیبوں پر پردہ ڈالنے والا ہے اور پھر اس ذات نے ہمیں یہ تعلیم بھی دی کہ دوسروں کے عیوب کا تذکرہ نہ کیا  
جائے۔ لیکن ہر محفل میں دوسرے لوگوں کی برائیاں کرنے والے آخر ان پر پردہ رکھنے کی کوشش کیوں نہیں  
کرتے تو اس کی چند وہجمیں ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک وجہ غصہ ہے۔ دوسری وجہ تکبر و غرور ہے، تیسرا وجہ  
اپنی عبادت اور نیکی پر نازکرنا، پوچھی وجہ حسد ہے۔ اس طرح اور بہت سی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے انسان  
دوسرے کے عیب کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ جب محفل میں کسی کی برائی ہو تو ہم  
کہنے والے کی خدمت میں درخواست کریں کہ وہ برائی نہ کرے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اس محفل سے  
کنارہ کش ہو جائیں۔ اور جب کسی کی برائی معلوم ہو تو اسے کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں۔ اس لئے کہ جو  
دوسروں کے عیب چھپاتا ہے اللہ اس کے عیب چھپاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث بالا میں وضاحت موجود ہے۔ اور  
پھر اپنے نفس کے اندر اس برائی کو ختم کرنے کی کوشش کرے اور پھر دوسرے شخص کے بارے میں دعا کریں کہ  
ہو تو پہلے اپنے اندر اس برائی کو ختم کرنے کی کوشش کرے اور پھر دوسرے شخص کے بارے میں دعا کریں کہ  
اے اللہ! اس برائی کو اس شخص سے ختم فرمادے۔ جب دل میں یہ درد ہو تو پھر کبھی بھی کسی کی برائی زبان پر  
نہیں آتی۔ اے ستارا عیوب! عیبوں کے چھپانے والے! ہم سب کے عیبوں پر پردہ ڈال دے اور پھر ان  
عیوب کو دور کرنے کی توفیق عطا فرم۔ (آمین)

نہیں برابر اس دے جہڑی اکھیں نال دسیوے

حضرت کہیا نال کناندے جہڑے خبر سینوے

## باہمی اتحاد و اتفاق کی ضرورت

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحِمِهِمْ وَتَوَادِهِمْ وَتَعَاافِنِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا شُكِّيَ غُصْنُوْ "تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمْمِ .

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: آپ مونوں کو آپس میں رحم کرنے، محبت رکھنے اور مہربانی کرنے میں ایسا پاٹیں گے جیسا کہ ایک بدن ہو۔ جب اس کے کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو پورے جسم کے سارے اعضاء بے خوابی، بے تابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ (تفہم علیہ)

اس حدیث مبارکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلم معاشرے کی حقیقت بڑے عمدہ انداز میں بیان فرمائی ہے۔ مل جل کر رہے اور اکٹھے زندگی گزارنے کا نام معاشرہ ہے۔ اسلامی تعلیمات کے آنے سے پہلے بھی لوگ مل جل کر رہتے تھے۔ زمین کے مختلف حصوں میں لوگ مختلف طریقوں سے زندگی گزارا کرتے تھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت مسلمہ کو مسلم معاشرہ کی ایسی خصوصیات عطا فرمائیں کہ جن سے انسان کو حکم اپنے زندہ رہنے کیلئے ہی نہیں بلکہ اپنی زندگی کے ساتھ ساتھ دوسروں کی زندگی بھی کامل طور پر شریک ہونے کی تعلیم ملتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین حق کی تعلیمات لے کر تشریف لائے جو لوگ آپ کی دعوت قبول کر لیتے ہیں وہ امت مسلمہ کے افراد بن جاتے ہیں اور یہی اسلامی برادری کا ہمہ اور اس کی حقیقت ہے۔ جب انسان امت مسلمہ کا فرد بن جاتا ہے تو اس پر امت مسلمہ کے بارے میں مخصوص قسم کے حقوق عائد ہو جاتے ہیں۔ ان حقوق میں سے بیانی دی حق اور امت مسلمہ کی ایک اہم خصوصیت امت مسلمہ کا اتحاد و اتفاق ہے جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے خوبصورت اور حقیقی انداز میں بیان فرمایا کہ آپس کی محبت، آپس کے پیار اور مہربان ہونے میں مونوں کی مثال ایک جسم جیسی ہے۔ جو چند اعضاء سے مرتب ہوتا ہے۔ جب کبھی ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارے جسم کے اعضاء بے خوابی اور بے تابی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ گویا کہ آپ کے ارشاد کے مطابق پوری امت مسلمہ ایک جسم کی طرح ہے اور امت کے افراد اس جسم کے اعضاء ہیں۔ اگر ایک عضو کو تکلیف ہو تو تمام اعضاء تکلیف کو محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح پوری ملت اسلامیہ کے ہر فرد کو اپنے مسلمان بھائی کی تکلیف محسوس کرنی چاہئے اور ہر ایک کے دکھر دوں میں سب کو شریک ہونا چاہئے۔ اور یہ صرف ہی نہیں بلکہ اللہ رب العزت نے اس کا ہفت بڑا جر و ثواب بھی رکھا ہے۔ امت مسلمہ کے اسی اتحاد و اتفاق کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عمدہ انداز میں یوں بھی بیان فرمایا ہے: یعنی ایک مسلمان کا تعلق دوسرے مسلمان کے ساتھ ایک مضبوط عمارت جیسا ہے اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کر کے دکھایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امت مسلمہ کے اندر اتفاق و اتحاد کا پایا جانا کتنا ضروری ہے تا کہ ہمارا معاشرہ بھی خیر خواہی، اعتماد، امن و سکون سے بھر پور معاشرہ قائم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں باہمی اتحاد و اتفاق کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین)

## مہمان نوازی کے آداب

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ كُلُّ بَيْتٍ لَا يَدْخُلُهُ ضَيْفٌ " لَا تَدْخُلُهُ الْمَلَكُكَةُ " رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس گھر میں مہمان داخل نہ ہوں، اس گھر میں فرشتے بھی داخل نہیں ہو سکتے۔ (بخاری و مسلم)

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مہمان کے لئے تکلف نہ کرو کہ تکلف کی وجہ سے تم مہمان کو براجانو گے۔ اور جو مہمان کو براجانتا ہے وہ اللہ کو براجانتا ہے۔ اور اللہ اسے براجانتا ہے۔ ایک روایت میں یہاں تک فرمایا کہ: لَا خَيْرَ لِمَنْ لَا يُظِيفُ (اس شخص کیلئے کوئی بھلا کی نہیں جو مہمان نوازی نہیں کرتا)۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں تعلیمات اسلامیہ کی روشنی میں مہمان نوازی کے چند آداب بیان فرمائے ہیں۔ جن کو مد نظر رکھنے کی وجہ سے انسان کو دنیا کی راحت بھی میسر ہو سکتی ہے اور آخرت میں ثواب بھی۔ آداب ضیافت اور مہمان نوازی میں سے پہلا ادب یہ ہے کہ متقی اور پرہیز گار لوگوں کی دعوت کرے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: سوائے تشقی کے کسی کا کھانا مت کھانا اور نہ متقی کے علاوہ تمہارا کھانا کوئی کھائے۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ دعوت میں صرف مالداروں کو نہ بلایا جائے بلکہ غرباء اور مستحق لوگوں کو بھی مدعو کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب کھانوں میں سے برآ کھانا اس ولیمہ کا ہے جس میں مالداروں کو دعوت دی گئی ہو اور غرباء کو نہ بلایا گیا ہو۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ دعوت میں اپنے اعز و اقرباء کو نہ چھوڑے۔ اس سے دلوں میں دوری اور قرابت داری میں توڑ پیدا ہوگا۔ جبکہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح رحی اور جوڑ کا حکم فرمایا۔ چوچھا ادب یہ ہے کہ دعوت سے تقصور فخر اور ریانہ ہو۔ پانچواں ادب یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کی دعوت نہ کرے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ اس کے آنے پر دشواری ہوگی اور جب آئے گا تو حاضرین سے اسے تکلیف پہنچنے کا اندر یشہ ہو۔ چھٹا ادب یہ ہے کہ دعوت اس شخص کی کرے جس کا دعوت قبول کرنا آپ کیلئے خوشی کا باعث ہو۔ حضرت سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی کی دعوت کرے اور دل میں یہ ہو کہ وہ دعوت قبول نہ کرے تو اچھا ہے۔ تو ایسی دعوت دینا بھی گناہ ہے۔ ساتواں ادب یہ ہے کہ مہمان جب پہنچ جائے تو کھانا جلد از جلد پیش کیا جائے۔ آٹھواں ادب یہ ہے کہ میزبان کو چاہئے کہ سب سے آخر میں کھانا چھوڑتے تاک مہمان خوب سیر ہو کر کھائے۔ اور جب مہمان کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر جانے کیلئے تیار ہو تو میزبان کیلئے سنت طریقہ یہ ہے کہ مکان کے دروازے تک اس کے ساتھ چلے۔ اس لئے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مہمان کی پاسداری یہ ہے کہ گھر کے دروازے تک اس کے ہمراہ جائے۔ اللہ رب العزت ہمیں اسلامی طریقے سے مہمان نوازی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

## رحم و شفقت

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِذْ حَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ بِرَحْمَمْ كُمْ مَنْ فِي السَّمَااءِ۔ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم ان لوگوں پر رحم کرو جو زمین میں ہیں تم پر وہ رحم کرے گا جو آسمان میں ہے۔

رحم اتنی اعلیٰ صفت ہے کہ خالق کا نات کی دو صفات اسی لفظ سے بنی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ایک رحمان دوسرا رے رحیم۔ اسی لئے ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ جب بھی کوئی ممکن باشان کام شروع کرو تو بسم اللہ الرحمن الرحيم پڑھ لیا کرو۔

اسی طرح جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت و شفقت سے بنا تات اور جمادات یعنی پودوں اور بے جان پھردوں نے بھی فیض حاصل کیا۔ چنانچہ جب پارش نہ ہوئی، زمین بیابان ہو جاتی، آپ ﷺ دعا فرماتے باراں رحمت کا نزول ہوتا اس سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی۔

حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانوروں پر بھی انتہائی رحم فرماتے۔ اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کو باہم لا اکر تماشاد کیجئے سے منع فرمایا۔ زمانہ جاہلیت میں شکاری جانوروں کو باندھ کر انہیں نشانہ بناتے اور تیر اندازی کی مشق کرتے۔ آپ نے اس سنگدلی سے منع فرمایا۔ ایک دفعہ ایک صحابی آئے ان کے ہاتھ میں چادر کے اندر لپٹئے ہوئے کسی پرندے کے پنج تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جاؤ ان بچوں کو ان کے گھوسلوں میں رکھ آؤ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافروں کیلئے بھی خیر سکالی کے جذبات رکھتے تھے۔ آپ ان کی حالت کو دیکھ کر کڑھتے تھے کہ یہ لوگ کفر و شرک سے باز نہیں آتے۔ کاش یہ کسی طرح صراط مستقیم پر چل پڑیں۔ حتیٰ کہ کافروں کی طرف سے بدسلوکی اور ازادیت ناک تکالیف کے پہنچنے کے باوجود بھی آپ نے ان کے حق میں بد دعا نہ فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحم کی حقیقت اور فضیلت معلوم تھی۔ جب ہی آپ کی پوری حیات طیب رحم و کرم کی بلند پایہ مثالوں سے لبریز ہے۔ اور رحم کی وہ فضیلت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت تک پہنچائی اور ارشاد فرمایا: لَا يَرْحَمُ اللَّهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسُ، یعنی جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحم نہیں کرتا۔ ایک حدیث میں فرمایا: یعنی جو شخص چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کی تنظیم نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔ ان احادیث مبارکہ کا مفہوم مولانا حافظ نے بڑے عمدہ انداز میں فرمایا:

خدا رحم کرتا ہے نہیں اس بشر پر	نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگہ پر
خدا مہربانی تم اہل زمین پر	کرو مہربانی

## مثالی نوجوان بننیں

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَا أَكْرَمَ شَابَ "شَيْخًا مِنْ أَجْلِ سِنِّهِ إِلَّا قَيَضَ اللَّهُ لَهُ، عِنْدَ سِنِّهِ مَنْ يُنْكِرُ مُهُ" . (رواہ الترمذی)

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس جوان نے کسی بوڑھے شخص کی اس کے بڑھاپے کی وجہ سے تعظیم و تکریم کی تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے کے وقت ایسے شخص کو مقرر کرے گا جو اس کی تعظیم کرے گا۔ زمانہ جوانی میں انسانی قوتیں بھی اپنے عروج پر ہوتی ہیں۔ سوچنے کی طاقت، عمل کی طاقت، خصہ کی طاقت اور ہر قسم کی قوت پر اسے ناز بھی ہوتا ہے۔ اس لئے جوانی میں انسان سرکشی کی طرف بھی زیادہ مائل ہوتا ہے۔ لیکن اگر انسان زمانہ جوانی میں سنبھل جائے تو یہ واقعی ایک مثالی نوجوان ہو سکتا ہے۔ غالباً اسی لئے شیخ سعدی رحمۃ اللہ نے فرمایا: ..... وَ رَجُونِي تَوَبَّ كَرْدُونْ شِيشَةَ بَيْغَرِی

جوانی میں پرہیز گاری کی زندگی گزارنا پیغمبروں کا طریقہ ہے۔ اور یہ واقعی بہت بڑا اکمال ہے۔ رحمۃ للعلیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت بڑا محیر آپ کی جوانی کی حالت میں پاکیزہ زندگی ہے۔ اسی صاف سترھی اور اخلاق سے آراستہ زندگی جس کے دوست و دشمن سب ہی مترف ہیں۔ آپ ﷺ کے پیچا ابوطالب کے الفاظ ہیں کہ میں نے اپنے بھتیجے کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں سن اور اسے کبھی گلیوں میں لڑکوں کے ساتھ کھلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آج ہمارے معاشرے میں نوجوان کے سب سے زیادہ عیب اس کے رشتہداروں کو معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے معاشرے کے بزرگ آج کے نوجوان پر کوئی ذمہ داری ڈالنے سے گریز کرتے ہیں۔ جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جوانی کے زمانہ میں جبراوسودی تنصیب جیسے ذمہ دارانہ کارنا میں انجام دیئے۔ جوانی میں آپ محبت اور رحمت کی مثالیں تھے۔ کسی کو تکلیف میں دیکھ کر مدد کیلئے تیار ہو جاتے۔ ایک بڑھیا کو دیکھا بوجھاٹھائے جا رہی تھی، کمر بوجھ تلنے جھکی جا رہی تھی۔ پھر دل لوگ ہنس رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے بڑھ کر بڑھیا کا بوجھ اپنے کندھے پر رکھا اور لوگوں سے کہا ایک کمزور بڑھیا کا مذاق اڑانا جوانی کا شیوه نہیں۔ مرد اگی یہ ہے کہ اس کا بوجھ ہٹا دو۔ جوانی میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے وقت کا کافی حصہ بوجھوں، بیماروں اور معذوروں کی دیکھ بھال پر صرف فرماتے تھے۔ ان کے چھوٹے بڑے کام کر دیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس جوانی کی زندگی میں آج کے نوجوانوں کو جو نقوش ملتے ہیں ان میں نبیادی اور بہت گہرا نقش تو یہ ہے کہ آج کا جوان اپنی جوانی میں سچائی اور دیانت اور شرافت کا پیکر بن جائے۔ تاکہ اس کی خوبیوں کے معرفت سب سے پہلے اس کے گھروالے ہوں۔ جن کے ہمراہ وہ دن رات گزارتا ہے۔ اس کے علاوہ اپنی پوری زندگی میں ہر مرحلہ کے اندر رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ سے رہنمائی حاصل کرتا رہے۔ اللہ رب العزت ہمیں آپ کے نقشِ قدم پر چلنے والا ہتا دے۔

## تعصب سے بچتے

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصَبَيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبَيَّةً وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلَى عَصَبَيَّةٍ . (رواہ ابو داؤد)

فرمایا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصیت کی طرف بلائے اور وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصیت کی وجہ سے ایک دوسرے سے لڑائے اور وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصیت کی بنابر مرے۔  
اسلامی احکام کے مطابق خاندان، قبیلوں، برادریوں، ذاتوں، علاقوں، صوبوں اور شہروں کی تقسیم اور ان کی بناء پر انسانوں کی تقسیم خلاف فطرت نہیں بلکہ فطرت کے عین مطابق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:  
”اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں مختلف قویں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کی شاخت کر سکو۔ اللہ کے نزد یک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گا رہے۔ (ال مجرات۔ ۱۳)

معلوم ہوا اس تقسیم کا مقصد اللہ تعالیٰ نے ”لتعارفوا“ بتایا یعنی اس تقسیم کے ذریعہ لوگ ایک دوسرے کی شناخت کر سکیں اور ایک دوسرے سے تعارف ہو سکے کہ یہ شخص فلاں شہر فلاں صوبے، فلاں ملک، فلاں قبیلہ، فلاں برادری کے فلاں خاندان سے ہے۔ لیکن اب یہ تقسیم تعصب کیلئے استعمال ہونے لگی ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اپنے خاندان یا اپنی قوم سے محبت رکھنا عصیت میں داخل نہیں۔ مسند احمد اور ابن ماجہ میں عبادہ بن کثیر شافعی سے ایک فلسطینی عورت فیله نامی کی اپنے والد سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ آدمی اپنی قوم سے محبت کرے تو کیا یہ عصیت میں داخل ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں لیکن عصیت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی قوم کی محابیت کرے حالانکہ وہ قوم ظلم کر رہی ہو۔ ”اگر اپنی قوم پر ظلم ہو رہا ہو تو اپنی قوم کی طرف سے ایک حد تک دفاع کرنا بھی جائز ہے۔ ابو داؤد میں سراقة بن ملاک بن حفصہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے خاندان کی طرف سے (ظلم کی) مدافعت کرے۔ جب تک وہ اس دفاع میں گناہ کا مرتكب نہ ہو، یعنی اپنی قوم اپنے خاندان پر ہونے والے ظلم کا دفاع کر سکتا ہے لیکن اس میں اپنی طرف سے ظلم ہونے دے۔ نسلی اور علاقائی تعصب آج جس تیزی سے آگ کی طرح پھیل رہا ہے یہ شخص اسلامی تعلیمات پر عمل پیرانہ ہونے کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اللہ نے قوم اور خاندان کی تقسیم کا مقصد یہ شخص تعارف بتایا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فوراً ارشاد فرمایا: اَكْرَمْكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اَتَقْرَبُكُمْ . ”بے شک اللہ کے نزد یک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ شخص ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیز گا رہو۔“ لہذا آج وقت کی اہم ضرورت ہے کہ ہر قسم کے تعصب سے ذہنوں کو پاک کر کے صرف یہ بات ذہن نہیں کی جائے کہ عزت و ذلت کا معیار تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نہیں ہر طرح کے تعصب سے اور اس کے بھیانک نتائج سے محفوظ فرمائے۔ (آمین)

## چھوٹوں اور بڑوں کے درمیان پہ فاصلہ کیوں؟

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَ الْمُرْحَمِ صَغِيرًا نَّا وَلَمْ يُوَقَّرْ كَبِيرًا نَا  
رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم میں سے تینیں وہ شخص جو ہمارے چھوٹوں پر حرم نہ کرے اور  
ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے۔ (رواہ الترمذی)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات حکمت سے آراستہ ہوتے ہیں۔ علماء ماتے ہیں کہ اس ارشاد مبارک میں پہلے چھوٹوں پر شفقت کا ذکر ہے، پھر بڑوں کی عزت کا ذکر ہے۔ معلوم ہوا کہ چھوٹوں پر شفقت بڑوں کی عزت کا سبب ہے۔ پہلے بڑے چھوٹوں پر شفقت کریں تو نتیجًا چھوٹے بڑوں کی عزت کریں گے۔ اور یہ بات عین انسانی نفیات کے مطابق ہے۔ لیکن اگر بزرگوں کی طرف سے شفقت نہ بھی ہو تب بھی چھوٹوں کو تکمیل و تکریم اور اچھے سلوک کا دامن نہ پھوڑنے کی نصیحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی۔ ”بُوذرَّهُ مُسْلِمَانَ كَيْ عَزَّ وَ كَرَامَ كَرَنا اللَّهُكَ تَعْظِيمٍ مِّنْ سَهِيْلٍ“۔ ایک جگہ فرمایا: ”بڑے بھائی کا حق چھوٹے بھائی پر ایسا کہ بآپ کا حق بنتے پر۔“

جس طرح رشتہ داری اور عمر کی وجہ سے بزرگ ہونے کی بنا پر تعظیم و تکریم کی تعلیم دی گئی اسی طرح درس و تدریس میں بھی استاذ ارشاد گرد کے درمیان احترام کی تعلیم دی گئی۔ استاذ کو روحاں باب پا کا درجہ حاصل ہے۔ استاذ کی ہر جائز بات پر سرتیم خم کرنا، اس کی عزت و اکرام ہی شاگرد و علم کی برکتوں سے فیض یاب کرتا ہے۔ لیکن یہاں بھی جس سطح پر اساتذہ کی تعظیم میں کی نظر آئے گی وہاں اور وجوہات میں سے ایک وجہ لازماً یہ ہو گی کہ اساتذہ کی طرف سے شفقت کم ہوئی اور دوسرا طرف شاگردوں میں عزت و اکرام میں کمی آئی۔ تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اساتذہ نے جب شاگردوں پر شفقت کی مثالیں قائم کیں تو پھر شاگردوں کی طرف سے بھی تعظیم و تکریم کی لازوال مثالیں قائم ہو گئیں۔

جب معاشرہ میں بزرگوں کی تعلیم و تکریم نہ ہے تو پھر سب سے بڑے و نقصان سامنے آتے ہیں۔ ایک چھوٹوں اور بڑوں کے درمیان فاصلہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ دوسرا نقصان یہ سامنے آتا ہے کہ اہل معاشرہ اپنے بزرگوں کو اپنے گھروں میں بوجھ سمجھنے لگتے ہیں۔ اس لئے اسلام نے چھوٹوں اور بڑوں کے درمیان عزت و احترام کی اس قدر تعلیم دی ہے کہ اگر ان اصولوں پر کامل طور پر عمل کیا جائے تو یقینی طور پر معاشرے میں یہ فاصلہ اور یہ دوری ختم ہو جائے۔ بلکہ بزرگوں کو معاشرے میں عزت کا مقام مل جائے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بزرگوں کے بارے میں تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ: ”جس جوان نے کسی بڑھنے شخص کی اس کے بڑھاپے کی وجہ سے تعلیم و تکریم کی تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے میں ایسے شخص کو مقر فرمادے گا جو اس کی تعلیم و تکریم کرے گا۔“ اللہ رب العزت ہمیں معاشرے میں اپنے گھروں، خاندانوں اور درستگاہوں میں اپنے بزرگوں کی تعلیم و تکریم کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم اس عظمت و اکرام کی برکتوں سے فیض یاب ہو سکیں۔

## افواہیں پھیلانا شرعی، اخلاقی، قانونی جرم ہے

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ كَفَى بِالْمُرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ .  
رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سی سنائی بات  
(بالتحقیق) بیان کر دے۔ (رواه مسلم)

آج کل معاشرہ میں بے چینی اور بے سکونی کا بہت بڑا سبب افواہیں ہیں۔ اسلام نے ایک مومن کی  
یہ شان بیان کی کہ: ”مسلمان نہ ہو کر دیتا ہے اور نہ ہو کر کھاتا ہے۔“ لہذا ایمان والے کی شان یہ ہے کہ وہ غلط  
بات کہہ کر دوسرا کو ہو کر نہیں دیتا۔ یہ اس کی شرافت کی علامت ہے اور کسی سے ہو کر نہیں کھاتا۔ یہ اس کے  
سچھدار اور ہوشیار ہونے کی نشانی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”لیس الخبر  
کالمعاینة“ سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی بات کی طرح نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے سوہہ جبرات کی آیت نمبر ۶ میں  
ارشاد فرمایا: ”لے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی گھنہ کا خبر لے کر آئے تو تحقیق کرو۔ کہیں تم کسی قوم پر نادانی  
میں ناجاہڑو۔ پھر تم بعد میں اپنے کئے پر پیشان ہونے لگو۔“ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں  
لکھتے ہیں کہ اکثر رائی جھگڑوں کی ابتداء جھوٹی خبروں (یعنی افواہوں) سے ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے  
اختلاف کے اسی سرچشمہ کو بند کرنے کی تعلیم دی اور یہ ہدایت کی بلا تحقیق کسی خبر کو قول نہیں کرنا چاہئے۔ معلوم  
ہوا جب تک کسی بڑی خبر کی تصدیق نہ ہو جائے یا اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے دوسرے کو وہ نہیں بتانی چاہئے۔

سورہ بقرہ کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے متین کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ ان دیکھی بات یعنی  
غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مسلمان کو ہر ان دیکھی بات پر یقین کرنے کا حکم نہیں۔ اگر وہ خبر اللہ اور  
اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے تو بے چوں و چر اس پر ایمان لانے کا حکم ہے۔ لیکن اس  
کے علاوہ خبر کے جو عام ذرائع ہیں ان میں جھوٹ کا احتمال موجود ہے۔ اس لئے رسول اللہ! صلی اللہ علیہ  
وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: کسی شخص کے جھوٹا ہونے کیلئے اتنی بات کافی ہے کہ وہ ہر سی سنائی بات بیان کرتا  
پھرے۔ لہذا افواہیں پھیلانے میں ایک تو جھوٹ بولنے کا گناہ ہوا اور پھر اگر خود جھوٹ بول رہا ہے تو سرا  
اسے سچا سمجھ رہا ہے تو یہ ایک اور بد دینی تھی ہے۔ اس لئے ایک مسلمان کی شان یہی ہے کہ وہ سنی سنائی بات بغیر  
تحقیق اور اعتماد کے بیان نہ کرے۔ اور اگر کوئی بڑی بات سنے تو دوسرے لوگوں کو نہ بتائے۔ برائی کوڈھانپ  
دینا بھی اللہ کو پسند ہے۔ اور اگر کوئی دوسرا شخص افواہیں پھیلاتے ہوئے کوئی بات کہے تو اسے منع کر دیا جائے  
کہ بغیر تحقیق کے بات نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی افواہیں پھیلانے والوں کو ہدایت نصیب فرمائے اور اہل  
معاشرہ کو خوف و ہراس سے نجات دے کر قلبی سکون نصیب فرمائے۔ (آمین)

## ما حول کی آلووگی اور مسلمان کی ذمہ داری

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِيمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ .  
 دو رجیدیں کے معاشرتی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ ما حول کی آلووگی ہے۔ ما حول کا مفہوم و معنی یہ ہے کہ جو کچھ ہمارے اردوگرد، یہ فضاء، یہ جگہ، ساتھ رہنے والے انسان، دیواریں، راستے، درخت، پودے، پانی یہ سب ہمارے ما حول کا حصہ ہیں۔ لیکن جب اس فضائیں لاوڈ پیپلکر کی بلند آوازیں، کاروں اور گاڑیوں کا شور اور ان کا دھواں، فیکٹریوں کا زبریا دھواں اور دریاں اور نہروں میں نیکٹریوں کے زہریلے مادے بہانا اور کیمیائی مادوں کا بے انہما استعمال یہ سب کچھ ہمارے ما حول کو تباہ کر رہا ہے۔ اور انسانیت کیلئے بیماریوں اور بکالیف کا باعث بن رہا ہے۔ اور مستقبل میں یہ بھی انک خطرات کی صورت میں سامنے آ رہا ہے۔ اسلام نے ہر اس چیز سے پہنچنے کا حکم دیا جس سے دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچنے ہر تکلیف وہ چیز کو دور کرنے کا حکم دیا اور حدیث بالا کے مطابق مسلمان کی یہ شان بیان کی کہ اس کی زبان اور ہاتھ لیعنی قول و عمل سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ لیکن آج کے ما حول میں مسلمان کی زبان سے دوسرے مسلمان انہائی تکلیف میں بیٹلا ہیں اور اس کی دو صورتیں توہہت عام ہیں۔ ایک مساجد میں کانوں کے پردے پھاڑ دینے والے لاوڈ پیپلکر و کا شور اور دوسری طرف شادیوں اور دیگر تقریبات میں استعمال ہونے والے آلات موسیقی۔ لاوڈ پیپلکر ایک مفید ایجاد ہے لیکن اس کے غلط استعمال نے آج لوگوں کو مساجد سے دور کر دیا ہے۔ آج کا مسلمان مسجد کے قریب گھر بنا نے یا کراپی پر لینے کیلئے تیار نہیں۔ آبادی کی تعمیر کے وقت خالی پلاٹوں کی تقسیم کے دوران مسجد کی جگہ نقشہ میں ظاہر کرنے سے گریز کیا جاتا ہے۔ کیونکہ لوگ مسجد کے قریب کے پلاٹوں کو خریدنے سے گریز کرتے ہیں۔ لاوڈ پیپلکر کے غلط استعمال نے آج مسلمانوں کو مساجد سے دور کر دیا ہے۔ نہ دن کا آرام نہ رات کا چین۔ اگر صرف اذان یا جمعہ کی تقریر کیلئے استعمال کیا جاتا تو یقیناً اس کا استعمال درست ہوتا۔ سورہ قلم میں ہے: ”اپنی آواز کو پست رکھو بے شک ناپسندیدہ آواز گدھ کی ہے“، لیکن موجودہ دور میں گدھ کی آواز کی بلندی تو، بہت پیچھے رہ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بارے میں دین کے ذمہ داروں کو اور ان شادی پیاہ کی تقریبات کے ذمہ داروں کو ہدایت عطا فرمائے۔ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل منقول ہے کہ آپ سازی کی آواز سن کر کانوں میں الگیاں رکھ لیتے تھے۔ اب تو کانوں میں الگیاں رکھنے سے بھی کام نہیں چلتا، درود یا وار جنجنہ اٹھتے ہیں۔ حالانکہ ارشاد نبوی کے مطابق مومن کا ایمان ہی جب تکمیل ہوتا ہے جب اس کی تکلیف دہ با توں سے اس کے بھائے محفوظ رہیں۔ اور دوسرے مسلمان اس کے قول و عمل سے محفوظ رہیں۔ لیکن آج کے انسان نے اپنے عمل سے بھی ما حول کی لطافت کو کثافت اور پاکیزگی کو گندگی سے تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ لہذا آج کے دور میں ما حولیات کی آلووگی کا باعث بننے والی اشیاء کو روکنا ہی ثواب کا باعث ہے۔

## باهمی معاملات اور باہمی رضا مندی

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَعَاشِرُوا كَالْأَخْوَانِ وَتَعَامِلُوا كَالْأَجَاجِ۔ (مکاواہ)  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ رہو ہو بھائی کی طرح اور معاملہ کرو جنہیوں کی طرح۔  
اللہ تعالیٰ نے ہمیں باہمی معاملات کے آداب قرآن مجید میں سکھائے ہیں۔ باہمی معاملات میں  
باہمی رضا مندی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ باہمی رضا مندی جتنی گرم جوشی، دیانتاری اور ظلوس پرمنی  
ہوگی لیں دین کے معاملات اتنے زیادہ مضبوط، قابل اعتماد اور منافع بخش ہوں گے۔ اس لئے کہ باہمی  
رضا مندی تمام تجارتی امور کی پہلی بنیادی اہمیت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اے ایمان والو! تم آپ میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ باہمی  
رضا مندی سے تجارت ہو۔“ اس ارشاد باری سے معلوم ہوا کہ دوسرے انسان کو تکلیف پہنچا کر مال کمایا اور  
کھایا تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اس آیت کریمہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دونوں فریق اگر باہمی رضا مندی سے مال  
کمائے کے کسی باطل طریقے کو اختیار کریں تو پھر محض باہمی رضا مندی سے وہ باطل طریقے سے جائز نہیں ہوگا  
۔ کبھی کبھی رضا مندی درحقیقت مجبوری کی رضا مندی ہوتی ہے۔

یہ بات درست ہے کہ دور جدید کی تجارت کا ایک بڑا حصہ اشیاء ضروریہ کو ذخیرہ کرنے کی بنا پر چلا  
ہے۔ لیکن اسلام نے ہر طرح کے ذخیرہ کو منوع قرار نہیں دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جس  
تجارت نے ذخیرہ اندوزی کی اس ارادہ سے کہ وہ اس طرح مسلمانوں پر اس چیز کو پہنچا کرے تو وہ خطکار ہے۔  
☆ باہمی معاملات کیلئے ایک یہ بھی حکم ہے کہ سود سے بچا جائے اور اگر کسی کے ذمہ سود ہو تو اسے  
چھوڑ دیا جائے۔

☆ باہمی معاملات کیلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ تعلیم بھی دی کہ ناپ قول پورا رکھنا چاہئے۔  
☆ باہمی معاملات میں یہ بھی ارشاد باری ہے کہ جب ایک دوسرے سے ادھار لین دین کا معاملہ  
کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

☆ باہمی معاملات میں یہ بھی ضروری ہے کہ ہر چھوٹے بڑے معاملہ کو یکساں اہمیت دی جائے۔  
☆ باہمی معاملات میں یہ بھی ارشاد ہے کہ جب تم خرید فروخت کرو تو گواہ ہنالیا کرو۔  
☆ باہمی معاملات کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ معاملات میں کسی قسم کا اہبام نہ ہو۔ مدت اور میعاد  
معلوم، ہمینہ اور تاریخ کا تعین واضح ہو۔ ☆ باہمی معاملات میں یہ بھی ضروری ہے کہ یا اہلی، عبادت اور  
زکوٰۃ کی ادائیگی سے غافل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ باہمی معاملات میں ہم سب کو قرآن حکیم میں بتائے گئے آداب  
اپنائے کی توفیق عطا فرمائے۔ (امین یارب العالمین)

## ماہ شعبان اور شب برأت

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبٍ وَشَعْبَانَ وَبَلَغْتَنَا رَمَضَانَ۔ (ابن عساکر)

جب رجب کا مہینہ شروع ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا فرماتے: اے اللہ! رجب اور شعبان کے مہینے میں ہمارے لئے برکت فرماؤ، اور ہمیں رمضان تک پہنچاو۔

شعبان المعظم ہجری سال کا آخر ہوا مہینہ ہے۔ اس مہینہ کا نام شعبان اس لئے رکھا گیا کہ روزہ دار کی نیکیوں (کے ثواب) میں درخت کی شاخوں کی طرح اضافہ ہوتا ہے۔ (شعبان کا لفظی مطلب ہے شاخ در شاخ ہونا) نسائی کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ کو شعبان میں زیادہ روزے رکھتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ آپ نے جواب میں فرمایا یہ مہینہ ایسا ہے جو رجب اور رمضان کے درمیان ہے۔ لوگ اس کی نعمیت سے غافل ہیں، اس میں میں اللہ تعالیٰ کے سامنے بندوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ جب میرے اعمال پیش ہوں تو میرا شمار روزہ داروں میں ہو۔ اس مہینہ کی پندرہ ہویں شب کی خصوصی طور پر فضیلت یہاں فرمائی گئی ہے۔ اس رات کو شب برأت کہا جاتا ہے۔ یعنی ”نجات کی رات“ ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہ ہویں شب کو آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور قبیلہ قلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ گناہ گاروں کی بخشش فرماتا ہے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ: قبیلہ قلب کے پاس تقریباً بیس ہزار بکریاں تھیں۔ اب یہ انسان کے ذہن سے بالاتر ہے کہ ان بکریوں کے بالوں کی معین کر سکے۔ بہیقی میں ہے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ شعبان کی اس (پندرہ ہویں) شب میں کیا ہوتا ہے؟ عرض کیا فرمائیے کیا ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس رات میں یہ ہوتا ہے کہ جتنے پیدا ہونے والے ہیں وہ سب لکھ دیے جاتے ہیں۔ اور جتنے مرنے والے ہیں اس رات میں لکھ دیے جاتے ہیں اور اس رات میں سب بندوں کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور اس رات میں لوگوں کی مقررہ روزی اترتی ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اعمال اٹھائے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اعمال دربار خداوندی میں پیش ہوتے ہیں اور روزی اترنے کا مطلب ہے کہ ایک سال میں جتنی روزی انسان کو ملنے والی ہے وہ سب لکھ دی جاتی ہے۔ شب برأت میں تمام روایات کا مطابعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شب برأت میں تین باتیں مسنون ہیں۔ (۱) پندرہ ہویں شب میں قبرستان میں جا کر مردوں کیلئے دعائے مغفرت کرنا (۲) نفل نمازیں اور طویل سجدے کرنا اور دعا مانگنا (۳) پندرہ ہویں تاریخ کارروزہ رکھنا۔ اور یہ روزہ مستحب ہے اگر رکھ لیا جائے تو ثواب ہے نہ رکھتے تو گناہ نہیں۔ اللہ رب العزت ہمیں شعبان المعظم کی برکات نصیب فرمائے اور دیگر عبادات کی توفیق عطا فرمائے۔ (۶۴)

## عیدین کے اعمال مسنونہ اور صدقہ فطر

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ رَبِّنَا أَعْيَادُكُمْ بِالْتَّكْبِيرِ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنی عیدوں کو تکبیر سے بار و قن بناو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اتباع سنت کی شدت کے باعث طلوع شمس سے قبل گھر سے نکلتے اور گھر سے نکلتے ہی عیدگاہ تک تکبیر کرتے رہتے۔

اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلَلَّهِ الْحَمْدُ .

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم جب عیدگاہ میں پہنچتے تو نماز عید سے قبل کوئی نقل وغیرہ نہ پڑھتے اور نہ بعد میں پڑھتے۔ اور خطبہ سے پہلے نماز شروع کرتے اس طرح آپ عیدین میں دور کعین ادا کرتے۔ (ابوداؤد)

نماز عید کی ترکیب یہ ہے کہ قبلے کی طرف منہ کر کے امام کی اقتداء میں اللہ اکبر کہتے ہوئے رفع یہیں کرے اور ہاتھ باندھ لے۔ پہلی رکعت میں سب خنک اللہم پڑھنے کے بعد قرات سے پہلے دونوں ہاتھ کا انوں تک اٹھا کر اللہ اکبر کہئے اور ہاتھ چھوڑ دے۔ دوسرا بار پھر ہاتھ کا انوں تک اٹھا کر تکبیر کہئے اور ہاتھ چھوڑ دے۔ تیسرا بار بھی اسی طرح ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہئے اور پھر ہاتھ باندھ لے۔ اور قرات شروع کرے۔ باقی پوری رکعت عام نمازوں کی طرح ادا کرے۔ دوسرا رکعت میں سورہ فاتحہ اور قرات کے بعد امام کی اقتداء میں تین تکبیروں کے ساتھ رفع یہیں کرے اور ہاتھ چھوڑ دے۔ جیسا کہ پہلی رکعت میں سب خنک اللہم کے بعد کیا تھا۔ جو تھی بار جب امام اللہ اکبر کہئے تو تکبیر کے ساتھ حکوم عی میں چلا جائے۔ اس کے بعد باقی نمازوں کی طرح پوری کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دونوں عیدوں میں غسل کرنا ثابت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید کے دن خوبصورت اور عمدہ لباس زیب تن فرماتے۔ معلوم ہوا عید کے دن زیب و زینت کرنا مستحب ہے مگر لباس مشروع ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ روز عید الفطر عیدگاہ جانے سے پہلے چند بھروسے تناول فرماتے تھے۔ ان کی تعداد طاق ہوتی یعنی پانچ سات وغیرہ۔ (بخاری و طبرانی) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس راہ سے عید گاہ تشریف لے جاتے اس راہ سے واپس تشریف نہ لاتے بلکہ دوسرے راستے سے تشریف لاتے۔ (بخاری) صدقہ فطر کا وجوب: ہر مسلمان عاقل آزاد (ہر مرد و عورت) پر واجب ہے جبکہ وہ مالک نصاب ہو یا ساری مالک نصاب ہو۔ خواہ نقدی کی شکل میں یا ضرورت سے زیادہ سامان کی شکل میں ہو یا مال تجارت ہو، رہائش کے مکان سے زائد مکان ہو۔ اپنی طرف سے اور اپنے نباخ لخچوں کی طرف سے جو اس کے زیر کفالت ہوں نصف صاع (یعنی پونے دو سیر گیہوں) یا اس کی قیمت ادکریں۔ نیز صدقہ فطر نماز عید الفطر سے پہلے ادا کرنا سنت ہے۔ اور عید کے بعد ادا کیا تو سنت کے ثواب سے محروم ہوگی۔ واجب کی ادائیگی ہو جائے گی۔ اللہ عمل کی توفیق سے نوازیں۔ (آمین)

## مہنگانی اور تاجر کا طرز عمل

**قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُولُ بِنَسَبِ الْعَبْدِ الْمُخْتَكِرِ إِنَّ أَرْخَصَ اللَّهِ إِلَّا سَعَارَ حَزَنٍ وَإِنَّ أَغْلَاقَهَا فِرَحٌ . (بیہقی)**

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: مہنگائی کے خیال سے غدر و کنے والا بندہ برائے کہ اگر اللہ تعالیٰ نرخ سے کردے تو یہ غلکی میں ہو جاتا ہے اور اگر مہنگائی کر دے تو خوش ہو جاتا ہے۔

آج کل مہنگائی کی وباء پھیل چکی ہے۔ ہر چیز کے نرخ بڑھانے کی فکر کی جا رہی ہے۔ یہ صرف آج کے ترقی پذیر دور کے ساتھ خاص نہیں بلکہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی مہنگائی ہوئی۔ چنانچہ ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں نرخ بڑھ گئے تو ہم نے عرض کیا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نرخ مقرر کر دیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ ہی نرخ مقرر کرنے والا ہے۔ وہی تیکی اور کشادگی کرنے والا ہے۔ اور میری آرزو ہے کہ میں اپنے رب سے اس حال میں ملاقات کروں کہ تم میں سے کوئی مجھ سے خون یا مال کا مطالبة نہ کر رہا ہو۔

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ نرخ بڑھنا، چیزوں کا مہنگا ہونا ایک فطری عمل ہے۔ بھی چیزیں سستی ہو جاتی ہیں، کبھی مہنگی ہو جاتی ہیں۔ نرخ کا تعلق موسم کے اتار چڑھاؤ اور طلب و رسد کی کمی اور زیادتی پر مخصوص ہوتا ہے۔ البتہ غیر فطری طریقوں سے نرخ بڑھانے کے راستوں کو رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھی سے بین فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مسلمانوں پر احتکار (غلدر و کرگراں قیمت پر فروخت کرنا) کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کو جذام اور افلاس میں بیٹلا کرے گا۔ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبوی م McConnell ہے فرمایا: جس شخص نے چالیس روز تک غلر و کرکھا تو وہ اللہ تعالیٰ سے بربی ہوا۔ اور ایک حدیث میں ارشاد McConnell ہے کہ جس شخص نے چالیس روز تک مہنگائی کے خیال سے غدر و کرکھا۔ پھر اگر وہ سارا مال بھی صدقہ کر دے تو پھر بھی اس کا کفارہ ادا نہ ہو گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دوکاندار کو ذیرہ اندوڑی سے منع فرمایا اور ساتھ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد بھی سنایا۔ جس میں اس کے بارے میں منع فرمایا گیا ہے۔ لیکن وہ دوکاندار بازنہ آیا اور کوڑھی بن گیا۔

یا یے سہری اصول ہیں کہ اگر آج بھی ان پر عمل کیا جائے تو دنیا و آخرت کی سرخوئی و کامیابی سے ہمکنار ہو جا سکتا ہے۔

## عید الاضحی کیسے گزاریں

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ أَمْرُتُ بِيَوْمِ الْأَضْحَى عَيْدًا جَعَلَهُ اللَّهُ لِهُدِّهِ الْأُمَّةُ .  
رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے یوم الاضحی (قربانی کے دن) کو عید کا حکم دیا گیا ہے  
جسے اللہ تعالیٰ نے اس امت کیلئے عید بنایا ہے۔ (ابوداؤ،نسائی)

چنانچہ ہر مسلمان کی بھرپور کوشش ہونی چاہئے کہ عید الاضحی کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے  
مطابق گزارے۔ تاکہ اس عید کے محتاط سے اجر و ثواب کا ذریعہ بن جائیں۔ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ  
 وسلم نے فرمایا کہ جب ذی الحجه کا پہلا عشرہ آئے تو تم میں سے جو لوگ قربانی کا ارادہ کریں وہ متواترے بال  
 منڈا کیں اور ترشاوائیں اور نہ ناخن کاٹیں۔

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نزدیک کوئی دن جس میں اللہ کی عبادت کی  
جائے، ذی الحجه کے عشرہ سے بہتر نہیں ہے۔ ان دنوں میں ایک دن کے روزہ کا ثواب سال بھر کے روزوں  
کے ثواب کے برابر ہے۔ (ترمذی) یوم عرفہ یعنی نوی تاریخ کی تحریر کی نماز سے لے کر تیر ہوں تاریخ کی عصر  
تک ہر فرض نماز کے بعد باواز بلند ایک مرتبہ یہ تکبیر پڑھنا واجب ہے: اللہ اکبر اللہ اکبر لا اله الا اللہ  
واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔ نتوی اس پر ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے والے اور اکیل نماز پڑھنے  
والے دونوں کیلئے تکبیر پڑھنا واجب ہے۔ البتہ عورت بلند آواز سے تکبیر نہ کہے، آہستہ کہے۔ (شامی)

اس تکبیر کا متوسط (در میانی) بلند آواز سے کہنا ضروری ہے۔ بہت سے لوگ اس میں غفلت کرتے  
ہیں۔ پڑھتے ہی نہیں یا آہستہ پڑھ لیتے ہیں اس کی اصلاح ضروری ہے۔ (احکام عید الاضحی و قربانی ص ۳۲)  
عید الاضحی کے دن یہ چیزیں مسنون ہیں۔ صبح جلدی اٹھنا، غسل کرنا، مساواک کرنا، عمرہ سے عمرہ  
کپڑے پہننا جو میسر ہوں، خوبیوں کا نا، شرع کے موافق آرائش کرنا، عید گاہ میں نماز  
کیلئے جانے سے پہلے کوئی چیز نہ کھانا بلکہ نماز کے بعد قربانی کے گوشت میں سے کھانا۔ بعض لوگ اس عمل کو  
روزہ کہتے ہیں ایسے نہیں کہنا چاہئے۔ اس لئے کہ عید کے ایام میں روزہ رکھنا منع ہے۔ اور یہ عمل شہر کیلئے ہے  
دیہات میں جہاں عید کی نمازوں ہوتی وہاں دسویں تاریخ کو صبح صادق کے بعد قربانی جائز ہے۔ ہندا وہاں  
قربانی کا گوشت قربانی کے فوراً بعد کھایا جاستا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ  
نماز عید گاہ (میدان) میں ادا فرماتے تھے۔ (بخاری و مسلم) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز خطبہ سے  
پہلے پڑھتے تھے اور جب نماز سے فارغ ہوتے تو کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے۔ عیدین کے خطبہ میں پہلے  
تکبیر سے ابتداء کرے۔ اول خطبہ میں تو نور مرتبہ اللہ اکبر کہے اور دوسرا خطبہ میں سات مرتبہ۔ (شرح الفتویہ  
جلد اس ۱۱۶) اللہ سنت کے مطابق عید الاضحی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

## نماز بجماعت میں صفتی کی اہمیت

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ سَوَّا أَصْفُوْ فَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصَّفَّ مِنْ تَمَامِ الْصَّلَاةِ . (بخاری و مسلم)

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صفوں کو برابر کرو پس بے تک صفتی کی برابری و درستی نماز ہی کی بیکھیل کا حصہ ہے۔

باجماعت نماز ادا کرتے ہوئے صفوں کے بارے میں رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصوصی ہدایات ارشاد فرمائی ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفت کے کنارے تک تشریف لاتے اور لوگوں کے سینوں اور کندھوں کو برابر کیا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھم مختلف (یعنی آگے پیچے) نذر ہو کہیں (اس کے نتیجے میں) تمہارے دلوں میں آپس کے اندر اختلاف نہ پیدا ہو جائے۔ (رواہ ابن حزیمہ فی صحیح)

جہاں ہر نیک عمل کا اثر ہوتا ہے وہاں ہر بعد عمل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ملتی ہے۔ اور پھر اس عملی کے اثرات اس دنیا میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ صفوں کی بے ترتیبی کا اثر انسانی دلوں پر پڑتا ہے۔ ان میں بھی اختلاف اور انتشار کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ فرمایا تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو نماز میں اپنے کندھے نرم رکھے۔ حد شین نے اس حدیث کا مطلب یہ لکھا ہے کہ صفوں درست کرنے کیلئے اگر اس کے کندھے پکڑ کر درست کرنے کی ضرورت پیش آئے تو وہ نماز میں اکٹھ کرنے کھڑا ہو۔ اگر امام یا کوئی دوسرا شخص اسے کندھوں سے پکڑ کر درست کرے تو اسے اپنی توہین نہیں سمجھنا چاہئے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری صفوں کو اس قدر سیدھا کرتے تھے گویا کہ آپ ان کے ذریعہ تیریوں کو سیدھا کریں گے۔ یہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اندازہ کر لیا کہ ہم نے اس بات کو خوب سمجھ لیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنی صفوں میں (نماز میں شریک افراد کو) ایک دوسرے کو خوب اچھی طرح ملا لیا کرو اور صفوں کے قریب قریب رکھا کرو اور گرد نہیں برابر کرو کرو۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں شیطان کو اچھی طرح دیکھتا ہوں کہ وہ صفت کی خالی بجھوں میں بکری کے بچوں کی طرح بھس جاتا ہے۔ (ابوداؤد، سنائی) صفوں درست کرنے کیلئے کندھے، گرد نہیں اور ایڑیاں دیکھنی چاہئیں۔ عام طور پر لوگ پاؤں کی انگلیاں دیکھ کر صفوں سیدھی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے صفت سیدھی نہیں ہوتی۔ اس طرح یہ بات بھی نہایت اہم ہے کہ جب تک اگلی صفت میں جگد باقی ہو چکی صفت شروع نہیں کرنی چاہئے۔ اور شروع کی جا چکی ہو تو بعد میں آنے والے کو چکلی صفت کی بجائے اگلی صفت میں کھڑا ہونا چاہئے۔ اول درجہ امام کے بالکل پیچھے کھڑا ہونے کا ہے۔ دوسرا درجہ صفت کے دوسری اور تیسرا درجہ صفت کے باہمیں حصے کا ہے۔ اللہ عمل کی توفیق دیں۔ (آمین)

## مضارب بے روزگاری ختم کرنے کا ذریعہ ہے

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلَهُ وَسَلَّمَ طَلْبُ كَسْبِ الْحَالَلِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ .  
رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حلال کی کمائی تلاش کرنا دیگر فرائض کے بعد ایک فرض ہے۔ (یہی)

شریعت اسلامیہ نے حلال روزی کمانے کے جو طریقے جائز قرار دیئے ہیں ان میں ایک مضارب بھی ہے۔ مضارب کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص کا مال ہو اور دوسرا شخص محنت کرے۔ اور منافع دونوں کے درمیان تقسیم ہو جائے۔ اس معاملہ کا ثبوت اجماع سے ملتا ہے۔ درحقیقت مضارب کے جائز ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اگر آج بھی ہمارے معاشرہ میں مضارب عالم ہو جائے تو پھر چھپا ہوا سرمایہ بھی گردش کرنے لگے گا اور بے روزگاری پر قابو پایا جاسکے گا۔ اور وہ اس طرح کہم اپنے معاشرہ میں بہت سے لوگ دیکھ سکتے ہیں جن کے پاس تعلیم کا زیر ہے یا تجارتی تحریک خوب ہے۔ لیکن سرمایہ کے نہ ہونے کی وجہ سے بے روزگاری میں بیٹلا ہیں۔ اب ایسے لوگ جن کا روپیہ تو ہے لیکن ان کے پاس کام کرنے کا وقت نہیں یا انہیں تجربہ نہیں۔ لیکن اس معاملہ میں مضارب کے بھی چند آداب اسلام نے مقرر کئے ہیں۔ پہلی بات کہ ایک آدمی صرف مال دے گا اور دوسرا آدمی صرف محنت کرے گا اور دونوں آپس میں منافع طے کریں گے کہ کل منافع کتنا مالک کو ملے گا اور کتنا محنت کرنے والے کو۔ اب اگر کاروبار میں نقصان ہو تو نقصان صرف مال کے مالک کو ہو گا محنت کرنے والا نہ ہو گا۔ اس لئے مضارب کرنے کیلئے محنت کرنے والا باعتماد اور دیانت دار ہونا چاہیے۔ اور منافع بھی اس طرح تقسیم کیا جائے گا کہ پہلے اصل مال کو الگ کر کے باقی جو بنچے گا وہ منافع ہو گا۔ منافع کی تقسیم میں شریعت نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ چاہے دونوں شخص آدھا آدھا منافع کر لیں اور چاہے مالک مال کم منافع اپنے لئے طے کرے اور زیادہ محنت کرنے والے کیلئے یا کم طے کرے یہ تو دونوں آپس کی رضامندی سے پہلے ہی سے طے کرنا ہو گا۔ مضارب کلپنے بہت بڑی رقم یا بہت بڑے سرمایہ کی ضرورت نہیں، آپ کے محلہ میں کوئی غریب پوہہ عورت رہتی ہو تو اسے رقم دے دیں اور اس سے کہیں کہ وہ ایک سلامی مشین خریدے اور کپڑے سینا شروع کر دے۔ اور اس میں جتنا منافع ہو اس میں سے آدھا میرا اور آدھا تھہارا۔ اسی طرح اپنے محلہ میں نگاہ ڈالیں، کوئی بے روزگار یا عیالدار ہے، گھر بیوی حالت بچارے کی بہت گئی گز ری ہے آپ اپنی رقم اسے دیدیں اور اسے کہیں کہ چھوٹی سی دکان ڈال لے، یا ریڑھی وغیرہ لگالے اور جو منافع ہو گا وہ آپس ہی میں طے کر لیں۔ آپ کی اصل رقم بھی محفوظ رہے گی اور منافع بھی ملتا رہے گا۔ لیکن اب یہ کام آپ کا ہے کہ آپ کسی باعتماد شخص کو تلاش کریں اور خوب چھان میں کر کے اسے رقم دیں اور با قاعدہ قانونی طور پر اس سے رسیدیں۔ کیونکہ ان احتیاطی تدابیر کا حکم اللہ نے سورہ بقرہ میں دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حلال روزی کمانے اور اس پر قناعت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

## ناجائز تجاوزات

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَخَذَ شَبْرًا أَمِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا فَإِنَّهُ يُطَوَّقَهُ  
يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَنْ سَبِيعِ أَرْضِينَ . (تفہم علیہ)

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ایک باشست بھر زمین ٹلم سے حاصل کرے گا  
اس زمین کے ساتوں طبقے قیامت کے دن اس کی گردن میں طوق کے طور پر پہنائے جائیں گے۔

اللہ رب العزت نے انسانوں کو جہاں اور بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہاں ایک نعمت زمین بھی عطا  
فرمائی۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی اگرچہ معیشت کے وسائل مختلف ہیں لیکن زراعت، تجارت صنعت و  
حرفت کو آج بھی بنیادی اہمیت حاصل ہے اور ان میں سب سے مقدم زراعت ہے۔ زمین سے روزی اور فائدہ  
حاصل کرنے کا حق ہر انسان کو دیا گیا ہے۔ لیکن زمین سے فائدہ حاصل کرنے کی اسلام نے چند شرائط اور چند  
آداب مقرر کئے ہیں۔ ان میں سے بنیادی شرط زمین کا مالک ہونا ہے۔ یہ بات طشدہ ہے کہ تمام کائنات کا  
خالق و مالک حقیقی صرف خدائے تعالیٰ کی ذات ہے لیکن یہاں ملکیت سے عارضی ملکیت مراد ہے۔ کہ جس  
ملکیت کے ذریعے انسان اس زمین سے فائدہ اٹھائے اور دوسروں کے حقوق میں خل اندازی نہ کر سکے۔ اسلام  
کے معاشرتی نظام میں ایک انسان کو دوسرے انسان سے اس طرح مربوط رکھا گیا ہے کہ ہر انسان دوسرے کی  
زندگی میں معاون ہو۔ اور ایک دوسرے کا حق نہ غصب کر سکیں جیسا کہ مندرجہ بالا حدیث سے واضح ہے۔ لیکن  
آج ہمارے معاشرے میں چاہیے وہ دیہات، ہو یا شہر، گھر ہو یا دکانیں ہر طرف اور ہر جگہ زمین پر ناجائز قبضہ اور  
اس کے نتیجے میں ہونے والے فسادات سامنے آتے ہیں۔ دیہات میں جہاں جا برا اور طاقتور زمین دار ہے وہاں  
کمزور زمیندار کی زمین پر ناجائز قبضہ کے مقدمات کی گھر مارہے۔ اور شہروں میں آج کل یہ دباؤ ہے، ہی زیادہ  
پھیل چکی ہے۔ کوئی صاحب مکان تعیر کر رہے ہیں تو بڑے مہذب طریقے سے زمین پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں،  
ناجائز قبضہ کرنے کی انجامی جدید ترین صورتیں بنائی گئی ہیں۔ مکان بنایا، دوسرے کی زمین کی جانب دروازہ کھول  
لیا۔ روش دان رکھلیا، کھڑکیاں اس طرف بنالیں۔ اب دوسرا شخص جب مکان بنائے گا تو مجبوراً کچھ جگہ چھوڑ کر  
تعیر کرے گا۔ ورنہ ہمارے سے ساری زندگی فساد رہے گا۔ یہی حال دو کانداروں کا ہے۔ حکومت نے سڑک  
کے کنارے پیڈل چلنے کا راستہ (فٹ پاٹھ) بنایا، دو کاندار تھوڑا اساشکیس آگے بڑھا لیتا ہے اور کچھ سامان فٹ  
پاٹھ پر رکھ دیتا ہے۔ اب اس زمین کے حصہ پر پیڈل چلنے والوں کا حق تھا لیکن اس دو کاندار نے اس کا حق مار دیا  
۔ یہ بات ذہن میں رکھی چاہئے کہ حکومت وقت شہریوں کے آرام و راحت کیلئے جو دو ایں بناتی ہے۔ اگر شریعت  
کے احکام کے خلاف نہ ہوں تو اسلام نے ان قوانین کے مانے اور اس پر عمل کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اللہ رب  
العزت، میں زمین پر ناجائز قبضہ سے محفوظ فرمائے۔ ہدایت اور توبہ کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمن)

## اخراجات میں میانہ روی اختیار کریں

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الْأَقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نَصْفُ الْمَعِيشَةِ۔ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخراجات میں میانہ روی اختیار کرنا نصف معیشت (زندگی گزارنے کا طریقہ) ہے۔ (بہتی)

اچھی نیت سے نیک مقصد کیلئے دنیا کی دولت حلال ذریعہ سے حاصل کرنے کی کوشش کرنا صرف جائز نہیں بلکہ بہت بڑی بیکی ہے۔ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص دنیا کی دولت حلال طریقے سے حاصل کرے اور اس مقصد کیلئے حاصل کرے کہ دوسروں کے آگے باقاعدہ پھیلانا پڑے۔ دوسروں سے مالگئے سے بچا رہے۔ اپنے اہل و عیال کیلئے روزی اور آرام و آسائش کا سامان مہیا کر سکے اور اپنے ہمسایلوں کے ساتھ بھی احسان اور اچھا سلوک کر سکے ایسا شخص قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس شان کے ساتھ حاضر ہو گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوا اور روشن ہو گا۔

مال و دولت کی حصہ عام انسانوں کی فطرت میں داخل ہوتی ہے۔ اگر دولت سے انکا گھر تو کیا جنگل کے جنگل اور صحراء بھی بھرے ہوئے ہوں تب بھی اس انسان کا دل قناعت نہیں کرتا۔ یہ انسان اس میں اضافہ اور زیادتی چاہتا ہے۔ زندگی کی آخری سانس تک اس کی ہوس کا بھی حال رہتا ہے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد اتفاق فرماتے ہیں۔ یعنی اگر آدمی کے پاس مال سے بھری ہوئی دو دو دیاں ہوں تو یہ تیسری بھی چاہے گا اور آدمی کا پیٹ کوئی چیز بھی نہیں بھر سکتی مگر قبر کی مٹی۔

دولت کی ہوس جہاں انسان کیلئے دنیا کی بر بادی کا نشان ہے۔ وہاں آخرت کی ناکامی ہے۔ لیکن بھی دنیا اور اس کی دولت اللہ کے احکام کے مطابق استعمال کی جائے تو وہ عبادت بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو حکامات دولت کے بارے میں عطا فرمائے ہیں۔ ان کا حلقت اعتدال اور میانہ روی سے ہے۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے فرمایا: ”جو میانہ روی اختیار کرتا ہے وہ محتاج نہیں ہوتا“، لیکن اگر انسان دولت کو حقوق پورا کرنے میں بھی صرف نہیں کرتا تو اس سے بجل پیدا ہوتا ہے اور ایسے شخص کو بخیل کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بجل اور ایمان کسی مومن کے دل میں بمحض نہیں ہو سکتے۔ اور اگر انسان بے جا خرچ کرنا شروع کر دے تو اسے اسراف اور فضول خرچی کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اگر مناسب جگہ خرچ نہ کیا جائے تو بجل ہے اور اگر بے جا خرچ کیا جائے تو فضول خرچی ہے۔ ان دو کے درمیان اتفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے راستے میں خرچ کرنا اور بھی خرچ کرنے کا صحیح طریقہ ہے۔ اس طرح اپنی جان اپنے گھروالوں پر اپنے بچوں پر خرچ کرنا بھی اللہ کی خاطر ہو تو وہ بھی عبادت ہے۔ اللہ ہمیں رزق کی برکت نصیب فرمائے۔ (آمین)

## تجارت میں قسمیں کھانے سے بچو

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِيَّاكُمْ وَكُفُرَةُ الْحَلْفِ فِي الْبَيْعِ فَإِنَّهُ يَنْهَا قُلْمَمْ حَقْقٌ . (رواه مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم خرید و فروخت کے وقت زیادہ قسمیں کھانے سے بچو۔ کیونکہ یہ قسمیں سودے کے زیادہ بکنے اور اس کے روایج کا ذریعہ بنتی ہیں۔ پھر برکت کو منادیتی ہیں۔ تجارت ایسا بارکت اور باعزت پیشہ ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختیار فرمایا اور بعثت سے پہلے بارہ سال اس پیشہ کو عزت بخشی کی۔ بیوت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہرت کی ایک اہم وجہ معاملات کی صفائی اور سچائی تھی۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تجارتی معاملات کرنے والوں نے دیکھی۔ یہاں تک کہ آپ نے صادق اور امین کا قلب پایا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات میں سچے اور ایمان دار تاجروں کو قیامت کے دن عزت و اکرام کی خوشخبری سنائی اور خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آپ کو اعتماد کا ایک اعلیٰ ترین نامونہ بنایا کرامت کے سامنے رکھا اور پھر انسان کو سکھایا کہ کن امور کو اختیار کرنے سے تجارت میں اعتماد حاصل کیا جاسکتا ہے اور کن باتوں کے اختیار کرنے سے اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ عام لوگ صرف وقتی فائدہ کی خاطر گاہک کا اعتماد حاصل کرنے کیلئے جو ناپسندیدہ طریقے اختیار کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بھی نشاندہی فرمائی۔ چنانچہ ان میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ گاہک کو اعتماد میں لینے کیلئے قسم کھائی جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ تم خرید و فروخت کے وقت زیادہ قسمیں نہ کھایا کرو۔ کیونکہ اس سے بکری تو بڑھ جاتی ہے، سامان کی سیل تو زیادہ ہو جاتی ہے لیکن برکت ختم ہو جاتی ہے۔ عام طور پر خرید و فروخت کے وقت مختلف انداز میں قسمیں کھائی جاتی ہیں۔ کبھی قسم کے ساتھ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ چیز امپورٹ ہے، فلاں ملک کی بنی ہوئی ہے، اور کبھی اس بارے میں قسم کھائی جاتی ہے کہ یہ چیز ہم نے اتنے میں خریدی ہے، یا مینوں فیکر پر یعنی مال بنانے والے کو ادا یگی کے وقت قدم دے کر کہا جاتا ہے کہ سیل بالکل بند ہے۔ کاروبار میں مندا چل رہا ہے۔ کہاں سے ادا یگی کریں گے۔ اب اگر یہ باتیں غلط ہوئیں تو جھوٹ بولنے کا گناہ الگ ہو گا اور جھوٹی قسم کھانے کا گناہ الگ ہو گا۔ صرف اپنا سامان بیچنے کیلئے جھوٹی قسمیں کھانا کتنا بڑا گناہ ہے۔

اللہ رب الحضرت ہمیں تجارت میں دیانتداری اور سچائی اپنانے کی توفیق عطا فرمائے اور ان باتوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جن سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اور جن سے برکت نہیں ہوتی۔

## معالج حضرات کیلئے لمحہ فکریہ

عن النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ نَفْسٍ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَ الدُّنْیَا نَفْسَ اللَّهِ عَنْهُ كُرْبَةٌ مِنْ كُرْبَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمِنْ يَسَرَّ عَلَى مُغْسِرٍ يَسَرَّ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ .  
نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: جس نے ایک مومن کے دنیوی غموں میں سے ایک غم دور کر دیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے غموں میں سے ایک غم دور کر دے گا اور جس نے کسی تنگ حال مسلمان پر آسانی کی تو اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں آسانی کرے گا۔ (رواہ مسلم)  
اس حدیث کا تعلق ہر مسلمان سے ہے چاہے وہ زندگی کے کسی شعبہ سے تعلق رکھتا ہو لیکن موجودہ معاشرتی حالات کے پیش نظر معانع حضرات اسلامی تعلیمات کی روشنی میں چند آداب اختیار کرنے بہت ضروری ہو چکے ہیں۔ ورنہ ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ اسلامی اقدار تو ایک طرف اب تو آسانی قدر ریں بھی پاماں ہوتی نظر آ رہی ہیں۔

انسان کسی بھی پیشے سے تعلق رکھتا ہو اس میں خلوص ہونا ضروری ہے۔ اس لئے معانع چاہے وہ ڈاکٹر ہو یا حکیم، سر جن ہو یا فریضیں اسکے دل میں مریض کیلئے خیر خواہانہ جذبات ہونے چاہئیں۔ دو اینہ کا مشورہ دیتے وقت کسی تسلیم، غفلت یا جان چھڑانے والا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ ☆☆ اپنی اجرت اور فیض وصول کرتے وقت مریض کی مالی حیثیت کو مد نظر کھا جائے جیسا کہ آغاز میں ارشاد بیوی ذکر کیا گیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ مریض مرض کی شدت میں ہو اور معانع کا ذہن اس بندیاں پر کام کر رہا ہو کہ اس سے کتنی دولت کما سکتا ہوں۔ ☆☆ مریض کے مرض کا معافہ کرنے کے بعد ایسا علاج تجویز کیا جائے جس میں بلا ضرورت تاخیر نہ ہو۔ محض مریض سے روپیہ بھورنے کی خاطر علاج کو طویل کرنے کا طریقہ ختم ہو جائے۔ ☆☆ اگر مریض کے مرض کے بارے میں یا تشخیص کے بارے میں معانع کا ذہن مطمئن نہ ہو تو پھر وہ کسی اپنے سے بہتر معانع کے پاس بھیج دے۔ محض معاصرانہ پتھقاش کی ہنا پر مریض کی جان سے نہ کھیلے۔ ☆☆ ایک مثالی معانع وہ ہوتا ہے جو اپنے فرض سے بخوبی آگاہ ہو اور اس کے جلاانے میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔ ☆☆ سرکاری ہسپتاں اور کے معین قومی خزانوں سے تنخواہ لیتے ہیں، ہسپتاں اور میں مریضوں کی قطار میں معانع کے انتظار میں ہوتی ہیں۔ اس تاخیر سے مریض کے دکھ اور اڑیت میں مزید اضافہ ہوتا ہے اور معانع کیلئے رزق حلال کے حصول میں رکاوٹ بھی ہے۔ ☆☆ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ سرکاری معانع ہسپتاں میں مریض پر توجہ نہیں دیتے اور مختلف طریقوں سے اپنے پرائیویٹ کلینک میں آنے پر مجبور کرتے ہیں۔ شرعی نقطہ نگاہ سے یہ ظلم ہے۔ ☆☆ معانع کو مریض کا علاج کرتے وقت خوف خدا اور خشیت الہی دل میں رکھنی چاہئے۔ ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق جو انسان تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کیلئے مشکل امور بھی آسان کر دیتے ہیں۔ الہذا شفا دینے والا اللہ اس معانع کے نئے میں بھی شفاعة عطا فرمائے گا۔ اللہ رب العزت ہمیں اسلامی تعلیمات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

## حج کے اوصاف

عن النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ یَغْطِی النَّاسُ بَدْعَوَاهُمْ لَا دَعْنِی نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَأَمْوَالِهِمْ وَلِكُنَّ الْبَيْتَةَ عَلَى الْمُدَدِّعِی وَالْمُیْمَنِ عَلَیٖ مَنْ أَنْكَرَ۔ (رواہ ابی هیچ)

رسول اللہ! صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: اگر لوگوں کو حسن دعویی ہی پرانا مدد عادے دیا جائے تو بہت سے لوگ اپنے آدمیوں کے خون اور مال کا دعویٰ کرنے لگیں گے لیکن دعویٰ کرنے والے کے ذمہ گواہ ہیں اور جو انکار کرے اس شخص پر لازم ہے کہ وہ قسم کھائے۔

اللہ رب العزت نے رسول اللہ! صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ کو عدل و انصاف اور وقت فیصلہ کا بے مثال ملکہ عطا فرمایا تھا جو مسائل بڑے بڑے مفکر نہ حل کر سکتے تھے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ نے بظاہر معمولی باقتوں ہی میں طے کر دیئے۔ ابھی ہوئے معاملات اور باہمی اختلافات کا فیصلہ اس خوبصورتی سے فرماتے کہ ہر فریق مطمئن ہو کر واپس جاتا۔

رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ نے اپنے اسوہ حسنة کے ذریعے سے سکھایا کہ ہر عادل و منصف حج کیلئے ضروری ہے کہ وہ ذاتی اغراض سے بے نیاز ہو۔ فریقین سے حسن سلوک کا بتاؤ کرے، کسی کی ناجائز جانب داری نہ کرے۔ مقدمہ والے بلا امتیاز نہ بولتے، قوم و نسل اس پر اعتماد کریں۔ وہ قرآن و شواہد سے خوب کام لے کر واقعات کی تحقیق کرے۔ گواہوں اور قسموں سے مقدمات میں وضاحت پیدا کرے۔ اپنی معاملہ شناس طبیعت سے مقدمات حل کرے۔ فیصلے کے وقت اپنی طبیعت کو جوش اور غصہ سے الگ رکھے۔ اگر یہ تمام اوصاف کسی حج میں موجود ہوں تو یقیناً وہ حج کہلانے کا مشتق ہے۔ ورنہ وہ صحیح معنوں میں حج، حاکم یا قاضی نہیں کہلا سکتا۔

رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ کی سیرت طیبہ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ نبوت سے پہلے ہی مکہ میں حج تسلیم کئے جا چکے تھے۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ کو امین و صادقِ القلب دیا جا چکا تھا۔ رجیب بن خثیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانہ میں بھی نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ کے حکم مانے جاتے تھے۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ کے پاس مقدمے آیا کرتے تھے۔ اور آپ کے فیصلے تمام قبل میں بنظر احسان دیکھے جاتے تھے۔ رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ کے پاس جو مقدمات آتے تھے ان کا جلد از جلد فیصلہ ہو جاتا تھا، نہ تاریخیں پڑتی تھیں، نہ کچھ خرج ہوتا تھا۔ اگر گواہ موجود ہوتے تو مدعا سے فوراً اطلب کئے جاتے۔ اگر اس معاملہ میں کوئی عینی گواہ نہ ہوتا تو مدعا علیہ پر قسم دی جاتی۔ اس کے بعد غور کر کے فیصلہ کر دیا جاتا تھا۔ اللہ رب العزت ہمیں اپنے معاشرے میں عدل و انصاف قائم فرمانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (امین)

## حدود اللہ کی فراموشی کا مرتكب

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَالَثَ شَفَاعَتَهُ، دُونَ حَدِّهِ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ فَقَدْ ضَادَ اللَّهَ . (ابوداؤد)

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کی مقرر کردہ حدود میں حائل ہو (یعنی اللہ کی مقرر کردہ حدود میں سفارش کر کے یا ان کو فراموش کر کے یا کسی اور طریقے سے رکاوٹ بنے) تو اس نے اللہ سے ضد کی۔

لکھنے والوں، حد کی جمع ہے اور فراموش کا معنی ہے بھول جانا۔ لہذا حدود فراموشی کا معنی ہوا حدود کو بھول جانا اور ان کا خیال نہ رکھنا۔

اسلامی اصطلاح میں حد اس سزا کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر واجب ہوتی ہے۔ جیسے حد سرقہ یعنی چوری کی سزا، حد قذف یعنی تہمت لگانے کی سزا، گویا کہ حدود اللہ کی طرف سے مقرر کردہ وہ ضابطہ ہیں جو سزا کی صورت میں یا حلال و حرام کی صورت میں ہیں۔ ان حدود کو مقرر کرنا اس لئے ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیر و شر میں کسی بھی راستے پر چلنے کا اختیار دیا ہے۔ اب انسان اس فطرت کی وجہ سے اپنی خواہش، اپنی چاہت اور اپنی مرضی کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے انسان کو حدود و قیدوں پسند نہیں۔ وہ ہر قسم کی بندشوں سے آزادی چاہتا ہے۔ اگر انسان کو اس طرز پر چلنے کی اجازت دی جائے تو ظاہر ہے کہ انسان من مانی کرے گا اور اس طرح زندگی کا پورا نظام تباہ و بر باد ہو کر رہ جائے گا۔ کیونکہ انسان کو معلوم نہیں اس کیلئے یہ اچھا ہے یا برا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”یعنی ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرتے ہو اور وہ تمہارے لئے بری ہو اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔“ (سورہ البقرہ۔ پ ۲) خالق کائنات نے جب حدود مقرر فرمائیں تو پوری کائنات کے حالات اس کے سامنے تھے۔ وہ علیم ہے، خبیر ہے، اس کی مقرر کردہ حدود میں پوری انسانیت کی فلاج اور کامیابی ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے زندگی کے ہر مرحلے کیلئے احکام و آداب سکھائے۔ پیدائش سے لے کر موت تک کے ہر مرحلے کیلئے حدود مقرر فرمائیں۔ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ علیم دی کہ حدود فراموشی سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان حلال و حرام کو واضح طور پر اپنے سامنے رکھے۔ اور جن چیزوں میں شبہ ہوان سے پچتار ہے۔ انسان حدود فراموشی یعنی اللہ کی مقرر کردہ حدود کو بھلا دینے کا مرتكب اس وقت ہوتا ہے جب خوف خدا نہ رہے یا حساب آئڑت کا خوف نہ رہے۔ اس لئے اللہ نے قرآن حکیم میں انسان کیلئے ضابطے اور حدود بیان فرمائی ہیں۔ تو وہاں انسانوں کو حدود کی پابندی کیلئے تین طرح کے جملے فرمائے: ایک تو قیامت کے دن کے حساب اور اس کی سزا کا خوف رکھے، پھر اس قانون کی خلاف ورزی میں جو نقصانات ہیں ان کو ذہن میں رکھے۔ پھر انسان کی بھلاکی اس میں ہے کہ ان حدود کی پابندی کرے۔ پھر زندگی کے ہر مرحلے میں قرآن سے آگاہی حاصل کرتا رہے تو انشاء اللہ یا انسان زندگی کے کسی مرحلے میں حدود فراموشی کا مرتكب نہ ہو سکے گا۔

## رشوت کی لعنت کے اثرات

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الرَّأْشِيِّ وَالْمُرْتَشِيِّ . (ابن ماجہ)  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رشوت لینے اور دینے والے پر اللہ کی لعنت برستی ہے۔  
لعنت کے معنی ہیں پھٹکانا، رحمتِ الہی جو ہر چیز سے وسیع، عظیم ہے اس کے دائرہ سے نکال کر  
کوسوں دور پھٹک دیا رحمت سے دور کر دینا ہے۔ دنیا کی ذلت اور آخرت کے عذاب میں بٹلا کر دینا ہے۔  
دنیا لعنت کو ایک معمولی چیز سمجھتی ہے۔ لیکن حرام میں لذت ہوتی ہے، عذاب لعنت میں اتنی ہی شدت ہوتی ہے کہ اس سے جنت کے دروازے بند اور دوزخ کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ لعنت دراصل حدود اللہ توڑنے والوں کیلئے ایک شدید و سُکین مزا ہے۔ ارشاد بار تعالیٰ ہے: وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ تَجْدَهُ نَصِيرًا ۔ ”اور جس پر اللہ لعنت کرتے تو آپ اس کا کوئی مددگار ہرگز نہ پائیں گے۔“

لعنی آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے بھی محروم رہے گا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اس کیلئے لعنت کی بدعا کر چکے ہیں۔ غرض یہ کہ لعنی کا دنیا و آخرت میں کوئی حمای و مددگار نہ ہو گا۔  
لعنت اتنی سُکین اور شدید مزا و عذاب ہے جیسے موروثی بیاریاں ہوتی ہیں۔ اور نسل درسل چلتی ہیں۔ اسی طرح جو جنی زیادہ حرام آمدنی کھاتا ہے اتنی ہی وسعت سے حرام کے اثرات اس کی نسل میں منتقل ہوتے ہیں۔ اور لعنت کے اثرات جو شکل و صورت اختیار کرتے ہیں وہ بھی بڑے بھیاں کم، خوفناک ہمہ گیر ہوتے ہیں۔ مثلاً ★ کبھی ماں کے ساتھ جاہدے کفرعون کی طرح فتنوں میں بٹلا کر دیا جاتا ہے ★ کبھی دل پر قفل لگا کر نیک کاموں کی توفیق سے محروم کر دیا جاتا ہے ★ کبھی ہنی سکون اور قلبی اطمینان چھین لیا جاتا ہے ★ کبھی تنگ دست اور دوسروں کا محتاج بنا دیا جاتا ہے ★ کبھی عیش و عشرت کا سامان مہیا کر کے گناہوں میں بٹلا کر دیا جاتا ہے ★ کبھی لوگوں کے دلوں میں اس کے خلاف نفرت و تھمارت کے جذبات پیدا کر دیئے جاتے ہیں ★ کبھی قرآن و حدیث کے متعلق تشكیل اور تذبذب پیدا کر دیا جاتا ہے ★ کبھی ظالم حاکم مسلط کر کے ان کے ظلم کا شکار بنا دیا جاتا ہے ★ کبھی اتفاقی حادثات اور ناگہانی آفات کی جیہیث چڑھادیا جاتا ہے ★ کبھی رزق حلال کے دروازے بند کر کے غیر شرعی اور ناجائز اور حرام کار و بار پر لگا دیا جاتا ہے ★ کبھی خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و عظمت کی بجائے غیر اللہ کی محبت و عقیدت میں پھنسادیا جاتا ہے۔  
رشوت جتنی لذیذ غذا ہے اس کیلئے اتنی ہی شدید مزا ہے۔ راشی پیسے لے کر صرف اپنا ضمیر و ایمان ہی نہیں بیچتا۔ اپنے بھائی کا گوشت بھی کاٹ کر کھاتا ہے۔ جس کی اسے کچھ سراں دنیا میں دی جاتی ہے اور کچھ آخرت پر موخر کر دی جاتی ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں اور ہمارے معاشرے کو رشوت کی لعنت سے پاک فرمائے۔ (آمین)

## سب سے بڑی دولت

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ وَرَزِقَ كَفَافًا وَقَعْدَةً اللَّهُ بِمَا أَنَا

رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کامیاب ہوا وہ شخص جسے اسلام نصیب ہوا اور گزارہ کیلئے روزی بھی لی اور اللہ تعالیٰ نے جتنا سے دیا اس پر تقاضت بھی دی۔ (رواه مسلم)

واقعی جس بندہ کو ایمان کی دولت نصیب ہوا اور ساتھ ہی اس دنیا میں گزارے کا سامان بھی اور پھر اللہ تعالیٰ اس کے دل کو قناعت اور اطمینان کی دولت نصیب فرمادے تو اس کی زندگی بڑی مبارک اور بڑی خوبگوار ہے۔ یہ قناعت اور دل کا اطمینان وہ دولت ہے جس سے ایک فقیر کی زندگی بادشاہ کی زندگی سے زیادہ لنڈیڈ اور پرسرت بن جاتی ہے۔

کسی شخص کے پاس اگر دولت کے ڈھیر ہوں لیکن اس میں اور زیادہ کیلئے طبع اور حرص ہوا اور وہ اس میں اضافہ ہی کی فکر اور کوشش میں لگا رہے تو اسے کبھی قلمی سکون نصیب نہیں ہوتا۔ وہ دل کافری ہی رہتا ہے۔ لیکن اگر قناعت کی دولت حاصل ہو تو فخر و افلاس کے باوجود وہ دل کاغذی رہے گا۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

**لَيَسَ الْيَغْنَى عَنْ كَثْرَةِ الْأَغْرِضِ إِنَّمَا الْغَنْيَ غَنْيَ النَّفْسِ** ”لیعنی دولت مندی مال و اسہاب سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اصل دولت مندی دل کی بے نیازی ہے۔“

سنن ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ”انسان میں سب سے بری بات کڑھانے والی لائج اور گھبرادینے والی بزدلی ہے۔“ (ابوداؤد)

درحقیقت جب قناعت نصیب نہ ہو تو انسان ہر وقت اسی غم میں گھلتا اور کڑھتا رہتا ہے کہ یہ نہیں ملا، وہ نہیں ملا، فلاں کے پاس یہ ہے اور میرے پاس یہ نہیں۔ لمبی بھی فکر بے شمار دولت کے ہوتے ہوئے بھی انسان کو بے سکون بنا دیتی ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن مجھ سے ارشاد فرمایا: ”ابوذر کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ماں زیادہ ہونے کو غنی ہونا کہتے ہیں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ماں کم ہونے کا نام فقیری ہے؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ بات کو دہرا دیا پھر فرمایا۔ دولت مندی دل کے اندر ہوتی ہے اور فقیری بھی دل میں ہوتی ہے۔

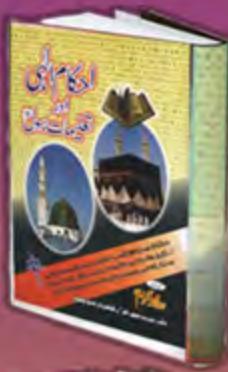
اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی مال و دولت سے بھی بڑی دولت نصیب فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

## ۱۰۴۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت جزو ایمان ہے

قالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اللَّهُ اللَّهُ فِي أَصْحَابِيِّ، اللَّهُ اللَّهُ فِي أَصْحَابِيِّ لَا تَشْخُلُهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِي فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَيُحِبُّنِي أَحَبُّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَيُبَغْضُنِي أَبْغَضُهُمْ. وَمَنْ أَذَاهُمْ فَقَدَ اذَايٌ وَمَنْ اذَايٌ فَقَدَ اذَا اللَّهَ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ۔ (رواہ الترمذی، مکلووۃ)  
رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے ڈرومیرے صحابہ کے بارے میں، (پھر تاکیداً فرمایا) اللہ سے ڈرومیرے صحابہ کے بارے میں۔ میرے بعد ان کو نشانہ (اور ہدف ملامت) انہی بنانا۔ جوان سے محبت رکھے گا وہ میری وجہ سے محبت رکھے گا اور جوان سے بغضہ رکھے گا وہ میری وجہ سے بغضہ رکھے گا۔ جو انہیں تکلیف دے گا اس نے گویا مجھ کو تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی تو اس نے اللہ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کو تکلیف دی تو قریب ہے کہ اللہ اس پر گرفت کر لے۔

مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ نے کتاب ”صحابہ کرام اور ان پر تقید“ کی تقریب تحریر فرماتے ہوئے آغاز میں یہ لکھا کہ دین خداوندی اور اہل دین کے درمیان بسلسلہ ابلاغ دین بنیادی دو واسطے ہیں۔ ایک ذات رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوم آپ کے شاگردان مقبول عند اللہ جن پر رضی اللہ عنہم کا حکم الہی قرآنی شاہد ہے۔ ان دو واسطوں میں سے ایک واسطے سے بھی عقیدت اور اعتماد میں فرق آگیا تو استحکام دین کا خاتمه ہو جائے گا۔ اسلام میں مرکز محبت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے۔ الہی عرب سے محبت اس لئے ہے کہ وہ خدا کے برگزیدہ تینگیر کا محبوب وطن اور قوم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کتم عرب سے تین باتوں کی وجہ سے محبت رکھو، اس لئے کہ میں عربی ہوں، قرآن عربی ہے، اور الہی جنت کا کلام عربی ہے۔ (رواہ ایشیقی) مہاجرین میں صحابہ تو آخرحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبیلہ اور خاندان سے ملے۔ انصار صحابہ نے غیر ہونے کے باوجود آپ کی مدد کی۔ اس میں خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے سوا اور کیا جذبہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے بہت سے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار صحابہ سے محبت آیز کلمات فرماتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آخرحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند بچوں اور عورتوں کو ایک شادی سے واپس آتے ہوئے دیکھا تو کہڑے ہو گئے اور فرمایا سب لوگوں میں سے تم مجھے بہت ہی محبوب ہو۔ (دومرتبہ فرمایا) راوی کہتے ہیں کہ آپ کا یہ خطاب انصار کے بچوں اور عورتوں سے تھا۔ (متفرق علیہ) الہی بیت سے محبت کی اہمیت کا اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو مجھی ان سے محبت قائم فرم۔ (مرا حضرت حسن و حسین ہیں)۔ (متفرق علیہ) پھر صحابہ کرام نے اتنا اعلیٰ معیار قائم فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے ساتھ آپ کی ہر چیز سے محبت ہر ادا سے محبت۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہی راستہ حق ہے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتاب و سنت کی علمی تصویر اپنے صحابہ کے سامنے بطریق اس وہ پیش فرمائی۔ اگر اسوہ صحابہ پر اعتماد نہ ہے تو پھر نقوش سیرت کہاں سے معلوم ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ واللہ بیت سے محبت نصیب فرمائے۔ (آمین)

# مؤلف کی دیگر تالیفات



خود پڑھئے اور دوسروں کو ہدیہ کجھے  
رابطہ نمبر: 0333-0303-5902896